ایک رپورٹ

No. 2

ناشر۔ صہیب برادران۔ آگرہ

تحریکِ مودودیت

کی

ایکسرے رپورٹ

حصہ دوم

ابوالاوصاف عبدالقدوس رومی مفتی آگرہ

ناشر

صہیب برادرس آگرہ

120617

ناشر : صہیب برادرس ۱۱/۹۸ صابن کٹرہ۔ آگرہ

طابع : تاج آفسٹ پریس۔ الہ آباد

تعداد اشاعت : ایک ہزار (فروری ۸۱ء)

قیمت : چار روپئے (-/4)

ملنے کے پتے

۱۔ صہیب برادرس، ۱۱/۹۸ صابن کٹرہ - آگرہ

۲۔ مکتبہ نعمانیہ۔ دیوبند

۳۔ ہندوستانی کتب۔ نظام الدین۔ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مدعا سے پہلے

دو سال ہونے کو آتا ہے کہ محرم ۱۳۹۹ھ مطابق جنوری ۱۹۷۹ء میں احقر نے ایک مختصر سا کتابچہ "تحریک مودودیت کی ایکسرے رپورٹ" شایع کیا تھا،

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کتابچہ کو خاص مقبولیت اور عام پسندیدگی عطا فرمائی کہ صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا پھر اپریل ۱۹۷۹ء ہی میں اسکا دوسرا ایڈیشن اور نومبر ۱۹۷۹ء میں تیسرا ایڈیشن بھی انتہائی عجلت میں شایع کرنا پڑ گیا جسکی وجہ سے اسمیں کسی اضافہ کی صورت نہ نکل سکی۔

اس دوران بارہا یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ شایع شدہ ایکسرے رپورٹ علامہ مودودی کے تحریری ذخیروں کو دیکھتے ہوئے یقیناً بڑی حد تک تشنہ و ناکافی بھی ہے ایسی زہرناک و خطرناک چیزیں تو موصوف کی تحریرات میں نہایت آسانی کے ساتھ اور بھی دستیاب ہوسکتی ہیں اسلئے کیوں نہ اسی انداز پر ایک دوسری رپورٹ (حصہ دوم) اور مرتب کر لی جائے

اسی خیال کے ماتحت آئندہ صفحات میں "ایکسرے رپورٹ حصہ دوم" پیش کیجا رہی ہے جو حضرات کسی وجہ سے حصہ اول نہ ملاحظہ فرما سکے ہوں یا مطالعہ کے بعد بھی تحریک کی خطرناکی و زہرناکی پوری طرح دریافت نہ فرما سکے ہوں، ان کے سامنے شاید یہ دوسری ہی رپورٹ مرض کی صحیح تصویر پیش کر سکے۔

عبدالقدوس رومی غفرلہٗ

مودودیت کی خطرناکی ایک نظر میں

علامہ مودودی کی تحریک اور انکے لٹریچر میں پائی جانیوالی خطرناکیاں و زہرناکیاں یوں تو گوناگوں اور نوع بہ نوع ہیں لیکن انھیں آسانی سے سرسری طور پر مندرجہ ذیل چند عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تنقیص شانِ ختم الانبیاء سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ تنقیص دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

۳۔ تنقیص و تنقید حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

۴۔ تنقید حضرات مجددین و مصلحین امت رحمہم اللہ

۵۔ استخفاف سنن نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

۶۔ استخفاف و استہزاء اشغال حضرات صوفیہ

۷۔ استہزاء وضع صلحائے امت

۸-۹-۱۰۔ انکار سنت، انکار حدیث، انکار معجزات کی ذہن سازی

مندرجہ بالا دس عنوانات میں سے آخری تین عنوانات پر تو راقم السطور نے ایک مستقل رسالہ مرتب کر دیا ہے جو "تین خطرے" کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ بقیہ سات عنوانات بالا پر اس رسالہ (ایکسرے رپورٹ حصہ دوم) میں بحث کیجا رہی ہے

پہلی بیماری

تنقیصِ شانِ حضرت خاتم الانبیاء سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

(الف) آپؐ کی معجزانہ قیادت کا انکار

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور جس کے اثرات تھوڑی ہی مدت گذرنے کے بعد دریائے سندھ سے لیکر اٹلانٹک کے ساحل تک دنیا کے ایک بڑے حصے نے محسوس کر لئے اسکی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا جس کے اندر کیریکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی اگر خدانخواستہ آپکو بودے، کم ہمت اور ضعیف الارادہ اور ناقابل اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے؟"

(اسلامی نظام زندگی ص ۲۶۹)

تبصرہ :- عبارت بالا کے آخر میں موصوف نے جو استفہام فرمایا ہے اس سے یہی بات تو نکلتی ہے کہ حضرت مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام کے سلسلے میں جو کامیابی حاصل

ہوئی اسکا سہرا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر نہ تھا بلکہ اس میں سارا کمال آپ کے ساتھیوں کا تھا۔ نعوذ باللہ منہ واستغفر اللہ

علامہ کی یہ گستاخی اور انکے جرم کی شدت اسوقت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ موصوف نے یہ بات اپنے مخاطبین کو اپنے اتباع پر ابھارنے کیلئے ارشاد فرمائی، موصوف اس انداز پر اپنے مخاطبین کو اکسا کر یہ فرمانا چاہتے تھے کہ مجھے اپنی دعوت وتحریک میں جو کامیابی نہیں مل رہی ہے اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ میرے ساتھی بودے، کم ہمت ضعیف الارادہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔ یعنی اگر نعوذ باللہ موصوف کو بھی حضرات ابوبکر و عمر اور حضرات علی و خالد اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم جیسے افراد مل جاتے تو موصوف بھی اپنی دعوت کے درمیان بدر و حنین کے نقشے پیش کر سکتے تھے۔

(ب) آپ کا ایسا احترام جو تنقید سے مانع ہو احترام نہیں "بت پرستی ہے"

"اگر کسی شخص کے احترام کے لئے ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے تنقید نہ کیجائے تو ہم اسے احترام نہیں سمجھتے بلکہ "بت پرستی" سمجھتے ہیں اور اس بت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے اہم ہے جس کو جماعت اسلامی اپنے پیش نظر رکھتی ہے"

(ترجمان القرآن ص ۳۲)

تبصرہ :- جماعت کے لوگوں نے علامہ کے ساتھ انکی زندگی میں ایسے ہی احترام کا معاملہ روا رکھا اور انھیں ہر قسم کی تنقید سے بالاتر سمجھتے ہوئے انکی ذہنی غلامی میں بھی مبتلا رہے جو بقول علامہ "بت پرستی" ہے اور جسے مٹانا جماعت کا اسلامی کا

ایک اہم مقصد بھی ہے ۔

افسوس کہ موصوف کی وفات پر انھیں امریکہ سے لاکر پاکستان ہی میں بلکہ خود انھیں کے دولت خانہ میں دفن کیا گیا کہ وفات کے بعد بھی بت پرستی کا شغل جاری رہے ۔

(ج) حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں ہیں

" نہ وہ فوق البشر ہے ، نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے
کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے "

(ترجمان القرآن اپریل ۷۶ء)

تبصرہ : جو شخص "لوازم بشری" اور "بشری کمزوری" کے درمیانی فرق سے بھی بے خبر ہو وہ جاہل ہے یا وہ جاہل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری کمزوریوں سے بالاتر تصور کرتا ہے ؟ اسکا فیصلہ ناظرین کرام خود ہی فرمالیں ۔

دوسری بیماری

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تنقیص شان

(الف) عصمت انبیاء کا منطقی انکار

"ان حضرات نے (جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف کسی معصیت کی نسبت کو غلط اور نادرست سمجھتے ہیں) شاید اس امر پر غور نہیں کیا کہ عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے ـــــ ورنہ اگر اللہ کی ـــــ حفاظت تھوڑی دیر کیلئے بھی ان سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں" (تفہیمات ص ۵۹ ج ۲)

تبصرہ :۔ عصمت انبیاء کی نفی کے لئے علامہ کا یہ پرمغز استدلال کسقدر پرلطف بھی ہے کہ حضرات انبیاء کی بشریت ثابت کرنے اور ان سے الوہیت اور خدائی کی نفی کرنے کیلئے ان حضرات میں لوازم بشریہ (مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، رنج و خوشی سے متأثر ہونا، پیدائش و وفات وغیرہ) کا پایا جانا کافی نہ ہو سکا بلکہ اسکے لئے ضرورت پڑی کہ

انکی زندگی اور زمانۂ نبوت میں کسی نہ کسی وقت اللہ تعالیٰ انؑ سے اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں بھی ان سے سرزد ہو جانے دیں ورنہ کہیں ایسا نہو کہ لوگ انھیں خدا سمجھ بیٹھیں۔

علامہ نے اس پر بھی غور فرمایا؟ اس استدلال کا ایک پہلو یہ بھی تو ہوا کہ جن حضرات انبیاء کو لوگوں نے خدا بنا ڈالا ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت اور حضرت عُزیر علیہ السلام (کہ اول الذکر کو نصاریٰ اور ثانی الذکر کو یہود خدا مانتے ہیں) کیا ان حضرات سے اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اٹھا کر ان سے لغزشیں صادر نہیں کرائیں کہ لوگوں کو انکے خدا ہونے کی غلط فہمی ہو گئی؟

اگر استدلال کا یہ پہلو صحیح ہے تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ شاید نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان حضرات کو ادنیٰ لغزش سے بھی محفوظ فرما کر دانستہ لوگوں کے لئے اس غلط فہمی کا موقع فراہم کر دیا کہ لوگ انھیں خدا سمجھ بیٹھیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ استغفر اللہ

(ب) حضرات انبیاء کرام کے نفوس قدسیہ کے لئے "نفس شریر" کا استعمال

"انسان کے نفس میں ایسی زبردست قوت ہے جو اکثر اسکی عقل و فکر پر چھا جاتی ہے اور بسا اوقات اسکو جانتے بوجھتے غلط راستوں پر بھٹکا دیتی ہے، معمولی آدمی تو درکنار بڑے بڑے لوگ بھی جو اپنے علم و فضل اور اپنی عقل و بصیرت اور فہم و فراست کے لحاظ سے یکتائے روزگار ہوئے ہیں اس رہزن کی شرارتوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ——— اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس "نفس شریر" کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں" (تفہیمات ۱۲/۱۴۲)

تبصرہ :۔ علامہ کی عبارت مندرجہ بالا میں " رہزن نفس کی شرارت " اور نفس شریر کی رہزنی کا حال آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ بڑے سے بڑے صاحبان علم وفضل ارباب فہم وفراست اور اصحاب عقل وبصیرت جو یکتائے روزگار بھی ہوئے وہ سب اس نفس شریر کی رہزنی سے محفوظ نہ رہ سکے بلکہ بات اور بھی آگے بڑھی اور پیغمبروں تک کو اسکے خطرے پیش آئے ہیں۔ یہ تو ہوا تصویر کا تاریک پہلو اب زرا تصویر کا روشن پہلو بھی ملاحظہ ہو :۔

تصویر کا روشن پہلو : یہی علامہ ہرفن مولا اپنے متعلق رسائل ومسائل میں یوں ارشاد فرماتے ہیں :۔

" خدا کے فضل سے میں (منکہ مسمیٰ ابوالاعلیٰ مودودی ہوں) کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہوکر نہیں کیا اور کہا کرتا۔ ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے تول تول کر کہا ہے، اور یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ اسکا حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ کہ بندوں کو " (رسائل ومسائل ص ۲۲۸ ج ۱)

ایک طرف تو علامہ مودودی ہیں جنکا حال یہ ہے کہ موصوف کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہوکر نہیں کیا اور کہا کرتے موصوف سے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اور دوسری طرف حضرات پیغمبر علیہم السلام ہیں جو بعض اوقات یا گاہ بگاہ نہیں بلکہ بسا اوقات (اور اکثر اوقات) نفس شریر کی رہزنی کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ پاکیزگیٔ داماں کی یہ حکایت علامہ کی زبانِ فیض ترجمان سے سنکر بے ساختہ یہ شعر نوک قلم پر آگیا ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو زرا دیکھ! زرا بند قبا دیکھ!

تنقیص شان ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام

"یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی ——— جب شیطان نے انکو ناصح مشفق اور خیر خواہ دوست کے بھیس میں آکر ایک بہتر حالت (زندگی جاوداں اور سلطنت لازوال) کا لالچ دیا تو وہ اسکی تحریص کے مقابلہ میں نہ جم سکے اور پھسل گئے ——— ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے" (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۳۳)

تبصرہ :- علامہ کے نزدیک جب ابوالبشر ابوالانبیاء سیدنا آدم علیہ السلام ہی شیطانی تحریص کے زیر اثر زندگی جاوداں اور سلطنت لازوال کے لالچ میں آگئے بلکہ پھسل گئے انکے ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ طاعت کے مقام سے معصیت کی پستی میں جا گرے تو پھر دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام جو انھیں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں وہ کیسے ان باتوں سے بچ سکتے ہیں، علامہ مودودی خود بھی یہی بات یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

"یہ انسان کی وہ کمزوری ہے جو ابتدائے آفرینش ہی میں اس سے ظاہر ہوئی اور بعد میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جبکہ یہ کمزوری اس میں نہ پائی گئی ہو (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۳۳)

ظاہر ہے کہ علامہ کے اس کلیہ سے کسی زمانہ میں کوئی فرد بھی جب مستثنیٰ نہیں ہے تو پھر

ہر انسان بلکہ ہر نبی میں یہ کمزوری پائی گئی ہوگی کہ انکے ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی ہوگی اور وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے ہوں گے۔

۲۔ تنقیصِ شانِ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام

(جذبۂ جاہلیت اور بشری کمزوری سے مغلوبیت)

علامہ موصوف اپنی شاہکار تفسیر "تفہیم القرآن" میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں فرماتے ہیں:۔

(الف) "کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوح کے اندر روحِ ایمان کی کمی تھی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا"

(تفہیم القرآن ص ۳۴۴ ج ۲)

تبصرہ:۔ کسی نبی و رسول میں روحِ ایمان کی کمی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کے شائبہ کا شبہ اور وہم کرنے والا کوئی محقق اور مدقق علامہ مودودی سے پہلے گذرا ہی کہاں ہے جو علامہ اس وہم و گمان کا ازالہ فرمانا ضروری سمجھ رہے ہیں۔ علامہ کی یہ فہمائش اور تنبیہ تو کچھ ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص یوں کہدے کہ:۔

"کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ علامہ کے اندر روح ایمان کی کمی تھی یا انکے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا ــــ یا مثلاً یوں کہدے کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ علامہ یہ جملے لکھتے وقت نشہ میں بدمست نہیں ہو رہے تھے"

بلکہ اسکی اصل وجہ دوسری ہے وہ یہ کہ موصوف کسی کو بھی تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے اس لئے وہ بے تکلف جس کے متعلق جو چاہتے ہیں کہدیتے ہیں۔

(ب) اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین میعار کمال پر قائم رہے جو مومن کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کیلئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہوجاتا ہے ——— لیکن جب اللہ تعالیٰ انھیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اسکو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمھاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ اپنے دل سے بے پروا ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے" (حوالۂ بالا)

تبصرہ :۔ ناظرین کرام! علامہ کی اس تحریر میں حضرت نوح علیہ السلام کی ذات اقدس کیلئے اعلیٰ واشرف کا فقرہ دیکھکر اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہوں کہ موصوف واقعتاً حضرات انبیاء کو اعلیٰ واشرف ہی کہنا چاہتے ہیں۔ موصوف کے یہ فقرے تو صرف انکی صحافتی فنکاری کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ موصوف کی خاص کوشش اس بات کے لئے ہوتی ہے کہ انکے ناظرین پر انکی صحیح پوزیشن واضح نہ ہو انکی تنقیص و تنقید اور تبرا و بدگوئی پر تحسین و ستائش کا ہلکا سا غلاف بھی چڑھا رہتا ہے وہ ایسے مواقع پر دو رخی اور دو پہلو عبارت لکھنا ہی پسند فرماتے ہیں چنانچہ عبارت بالا میں ایک طرف تو وہ حضرت نوح علیہ السلام میں روح ایمان کی کمی اور شائبۂ جاہلیت کا بظاہر انکار فرما کر در پردہ اسکے وجود کا اقرار بھی فرما رہے ہیں بلکہ آگے چلکر صاف لفظوں میں بھی یہ تحریر فرما گئے "محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے"۔

علامہ کی اس فکر پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا علامہ کے نزدیک عام انسان اور عام مومنین اور جملہ انبیاء و رسل سب ایک سطح و معیار کے ہوتے ہیں یا حضرات انبیاء کرام میں کچھ تفوق و برتری ہوتی ہے؟ اگر انکی سطحیں مختلف ہوتی ہیں تو پھر علامہ کس دیدہ دلیری اور

دلاوری کے ساتھ حضرات انبیار کے اخلاق و کردار کا تجزیہ کرنے کے لئے انھیں عام انسانوں کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں اور عام سرشت انسانی اور فطرت بشری پر مبنی استدلالات کے ذریعہ حضرات انبیار و رسل کے اخلاق و کردار کو ناپنا شروع کر دیتے ہیں۔ موصوف کے مندرجہ بالا یہ فقرے آخران کے کس جذبے کی غمازی کرتے ہیں :۔

"کوئی بھی انسان اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کیلئے مقرر کیا گیا ہے"

گویا موصوف کے نزدیک ہر نبی و رسول بھی فطری طور پر اسی سطح پر ہوتا ہے جو ہر عام مومن یا عام انسان کی ہوا کرتی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۳-۴ سیدنا حضرت ابراہیم و عیسیٰ مسیح علیہم السلام کی تنقیص شان

(سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام حکومت الٰہیہ قائم نہ کر سکے صرف زمین تیار کر کے رہ گئے)

علامہ مودودی نے تجدید و احیائے دین میں حضرات انبیاء کے مشن کا منتہائے مقصود یوں متعین فرمایا ہے :۔

"دنیا میں انبیا علیہم السلام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومت الٰہیہ قائم کر کے اس پورے نظام زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے" (تجدید و احیائے دین ص ۲۲)

اسی سلسلۂ کلام میں فرماتے ہیں :۔

"اسی وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی بعض کی مساعی صرف زمین تیار کرنے کی حد تک رہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، اور بعض نے انقلابی تحریک عملاً شروع کردی مگر حکومت الہٰیہ قائم کرنے سے پہلے ہی انکا کام ختم ہوگیا جیسے حضرت مسیح علیہ السلام۔

(حوالۂ بالا ص ۲۲)

تبصرہ :۔ اس ارشاد کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے "حکومت الہٰیہ" کے قیام کو اپنے مشن کا مقصود و منتہا از خود بنایا تھا یا وہ اس کام کے لئے منجانب اللہ مامور بھی تھے؟ —— پہلی شق کے مطابق اگر وہ اسکے لئے مامور نہ تھے تو بغیر حکم خداوندی انھوں نے اسے اپنے مشن کا منتہائے مقصود کس طرح بنالیا؟ —— اور دوسری صورت کے مطابق اگر وہ حضرات سب کے سب ہی حکومت الہٰیہ کے قیام کیلئے مامور تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مہلت کیوں نہ دی کہ وہ اپنی زندگی ہی میں اپنے فریضۂ زندگی کی تکمیل فرمالیں، انکی زندگی صرف زمین کی تیاری ہی تک کیوں محدود رہ گئی جسکی بناء پر یہ شبہ راہ پاسکے کہ انھوں نے اپنے جملہ فرائض کی ادائیگی و تکمیل میں کوتاہی برتی۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور اگر پہلی ہی شق کو متعین کیا جائے اور کہا جائے کہ حکومت الہٰیہ کے قیام کے لئے یہ حضرات منجانب اللہ مامور ہی نہ تھے تو پھر علامہ کے اس دعویٰ کا کیا بنے گا جو ابھی اوپر نقل ہوا کہ :۔

"دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومت الہٰیہ قائم کرکے اس پورے نظام زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے"

علامہ کو شاید معلوم نہیں کہ عمل کی دنیا فکر و نظر کی دنیا سے بہت مختلف ہے موصوف اسی فرق کی بیخبری سے ایسے تضادات اور غلط قسم کی منصوبہ بندیوں کا شکار ہوتے رہے ہیں —— اسی بیخبری اور تضاد خیزی کے باعث

یہ انقلاب ماہیت بھی رونما ہوگیا کہ وہی علامہ جو کسی زمانہ میں ہندوستان کی سیاسیات پر بے لاگ تبصرہ فرماتے تھے اور یہاں کی مسلم سیاسی تنظیموں سے کسی قسم کی مصالحت و مفاہمت کے روادار نہ تھے اور ان سے اشتراک و تعاون کو تو گویا بالکل حرام اور شجر ممنوعہ ہی قرار دیئے ہوئے تھے، پاکستان بننے کے بعد جب بذات خود انھیں اپنے ہاتھ میں زمام قیادت و اقتدار ملنے کی آس بندھ گئی تو سخت قسم کی موقع پرستی کا شکار ہو گئے اور اسی شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کیلئے بالکل کمربستہ ہو کر سب سے پہلے ہی دسترخوان پر آ بیٹھے —— مگر افسوس کہ موصوف کے محبین انکی بے صبری اور جلد بازی کو قابل اعتراض ہی نہیں سمجھتے!

۵- سیدنا یوسف علیہ السلام کی تنقیص شان

(اٹلی کے مسولینی سے تشبیہ)

علامہ مودودی سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کیسے کچھ خیالات رکھتے ہیں اسکا کچھ اندازہ انکی مندرجہ ذیل عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"انھوں نے تحریک عمومی کی راہ سے اپنا مشن پورا کرنے کی بجائے اقتدار حکومت پر قبضہ کر کے دین حق قائم کر دینے کو سب سے زیادہ قریب کا راستہ پایا اور بادشاہ سے مطالبہ کر دیا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ (زمین مصر کے تمام وسائل و ذرائع میرے اختیار میں دے) یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اسکے نتیجہ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اسوقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے"

(تفہیمات ص ۱۲۸/۲۲)

تبصرہ :۔ علامہ کی اس چند سطری عبارت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :۔

(الف) بوقت ضرورت داعی اسلام تحریک عمومی (یعنی بتدریج ماحول سازی وذہن سازی) کو چھوڑ کر اپنا مشن پورا کرنے کے نام پر اقتدار حکومت پر قبضہ کر سکتا ہے چنانچہ علامہ کے زعم میں حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی یہی کیا تھا —— علامہ موصوف تفہیمات حصہ دوم میں اسی موقع پر چند سطور پہلے یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ

" سیدنا یوسف علیہ السلام نے ابتداءً دین حق کی اشاعت کیلئے وہی راستہ اختیار فرمایا تھا جو انبیاء علیہم السلام اختیار فرماتے رہے یعنی پہلے دعوت عام پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انکی تربیت و تنظیم پھر انھیں ساتھ لیکر اقامت دین کیلئے مجاہدہ —— چنانچہ انھوں نے اپنی اس دعوت کا سلسلہ جیل ہی میں شروع کر دیا تھا —— لیکن آگے چل کر انکے سامنے یکایک ایک ایسا موقع آگیا جس سے وہ مقصود تک مختصر راستے سے پہونچ سکتے تھے —— اسلئے انھوں نے تحریک عمومی کی راہ سے اپنا مشن پورا کرنے کے بجائے اقتدار حکومت پر قبضہ کر کے دین حق قائم کر دینے کو زیادہ قریب کا راستہ پایا اور بادشاہ سے مطالبہ کر دیا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ "

(ب) " ڈکیٹر شپ " کا لفظ جو بالعموم ہمارے محاورہ میں اچھے مفہوم کے لئے نہیں بولا جاتا مگر علامہ نے اسکو سیدنا یوسف علیہ السلام کی زبانی انکا مطالبہ و مطلوب دکھلا کر اسکے لئے نہ صرف یہ کہ سند جواز مہیا فرمائی بلکہ سند استحسان بھی فراہم فرما دی ہے۔

افسوس کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت پر " ملوکیت " کا طنز کرنے اور الزام لگانیوالا کس جگہ پہونچ گیا ہے ؟

(ج) اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کے مفہوم میں علامہ نے جو توسع پیدا فرمانا چاہا ہے وہ مستقل طور پر تفصیلی بحث چاہتا ہے جسکا موقع یہاں نہیں ہو انشاء اللہ اس پر تفصیلی بحث "تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش (حصہ دوم) میں ہو سکے گی۔

عجیب و غریب انکشاف و یکسانیت

علامہ مودودی کے بارے میں یہ بات تو مشہور و معروف بلکہ مسلم بھی ہے کہ موصوف مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک متعین مذہب و مسلک کے پابند نہیں ہیں اور اب انکی تحریر مندرجہ بالا کو دیکھکر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف متعین طور پر صرف اسوۂ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو ہی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس سلسلہ میں بھی شاید توسع کے قائل ہیں۔ چنانچہ موصوف نے ابتداءً تو اپنی جماعت اسلامی کے سامنے انقلاب اور تحریک اسلامی کا وہی نظریہ پیش کیا تھا جو موصوف کے رسالہ "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟" میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پاکستان یا کشمیر میں جب اقتدار حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے مختصر راستہ سامنے آگیا تو موصوف کا سارا فلسفہ جوں کا توں دھرا رہ گیا اور لپک کر کرسیٔ اقتدار حاصل کرنے اور زمام حکومت حاصل کرنے کی فکر دامنگیر ہوگئی۔ یہ بات خدا ہی کو معلوم ہوگی کہ موصوف نے اپنے ارباب اقتدار سے اجعلنی علی خزائن الارض کی فرمائش بھی کی تھی یا نہیں۔ تنگ نظر معترضین انکے اس انقلاب فلسفہ پر چیں بجبیں ہو کر خدا جانے کیا کچھ سوچتے اور کہتے ہوں گے مگر کسی اللہ کے بندے کی نظر شاید ہی اسطرف گئی ہو کہ موصوف کا جذبۂ عدم تقلید صرف ائمۂ فقہ کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے چنانچہ اس خاص صورتِ حال میں موصوف نے اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اسوۂ یوسفی کو اپنایا تھا اور یکایک جب ایسی صورت سامنے آگئی تو انھوں نے بھی افراد سازی کا کھڑاگ چھوڑ چھاڑ کر اقتدار حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے مختصر راستہ اپنا لیا ـــــ یہ ہے عجیب و غریب انکشاف اور یہ ہے عجیب و غریب یکسانیت

حالات۔ سچ ہے اللہ شکر خورے کو شکر ہی دیتا ہے۔

اوپر سیدنا آدم علیہ السلام کے سلسلے میں علامہ کا یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ "جب شیطان نے ایک بہتر حالت کا لالچ دیا تو وہ اسکی تحریص کے مقابلہ میں نہ جم سکے اور پھسل گئے" کیا تعجب ایسی ہی کوئی صورت یہاں بھی پیش آگئی ہو۔

۶۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کی تنقیص شان

(آپ کے فعل میں خواہش نفس کا دخل اور حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال)

(الف) علامہ مودودی صاحب اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" ص ۳۲۶ ج ۴ کے حاشیہ ۲۷ میں فرماتے ہیں:۔

"اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد سے قصور تو ضرور ہوا تھا اور وہ کوئی ایسا قصور تھا جو دنبیوں والے مقدمہ سے کسی طرح کی مماثلت رکھتا تھا" (تفہیم القرآن ص ۳۲۶ ج ۴)

(ب) اسی سلسلہ میں ص ۳۲۷ پر حاشیہ ۲۸ کے تحت فرماتے ہیں:۔

"اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اسکے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اسکا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا" (تفہیم القرآن ص ۳۲۷ ج ۴)

(ج) اسی موضوع بحث پر کلام فرماتے ہوئے تفہیمات حصہ دوم میں ص ۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں

"اسکی اصلیت صرف اسقدر تھی کہ حضرت داؤد نے اپنے عہد کی

اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر" اوریاہ" سے طلاق کی درخواست کی تھی" (تفہیمات ص۵۵ ج۲)

(د) اس معاملہ کی صحیح نوعیت متعین کرنے کے لئے اسی تفہیمات حصہ دوم کے ص۴۲ کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ ہو:۔

"ہر انسان سے خواہ وہ کیسے ہی درجہ کا آدمی ہو کبھی نہ کبھی کوئی ایسا فعل ضرور ہوجاتا ہے جسکو آسانی کے ساتھ بُرے معنی پہنائے جاسکتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا اگرچہ وہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک عام دستور تھا اور اسی دستور[1] سے متاثر ہوکر ان سے یہ لغزش سرزد ہوگئی تھی مگر چونکہ ایک بڑے آدمی کا فعل تھا اسلئے شہرت پکڑ گیا" (تفہیمات ص۴۲ ج۲)

اسی سلسلہ میں تفہیمات کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو:۔

(۱) "اسرائیلیوں کے ہاں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی کہ کوئی شخص کسی کی بیوی کو پسند کرکے اس سے طلاق کی درخواست کرے۔ نہ درخواست کرنے والا اس میں تکلف کرتا تھا اور نہ وہ شخص جس سے درخواست کیجاتی تھی اس پر بُرا مانتا تھا، اور یہ تو ایک عمدہ اخلاق کی بات سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص کسی دوست کو خوش کرنے یا اسکی تکلیف رفع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو طلاق دیکر اسکے نکاح میں دیدے۔ چنانچہ یہ یہودی اخلاق ہی کا اثر تھا کہ مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی خاطر اپنی بیویوں کو طلاق دیکر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہوگئے تھے" (تفہیمات ص۴۸ ج۲)

تبصرہ:۔ علامہ موصوف کا قلم تنقیدی جراحت کا ایسا خوگر ہوگیا ہے کہ وہ اپنی تسکین کے لئے بالکل زبردستی ہی تنقیدی جراحت کیلئے مواقع فراہم کرلیا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق موصوف کی یہ ساری موشگافیاں بھی اسی قبیل سے ہیں۔

قرآن کی وہ آیت (جسکے تحت موصوف یہ پاپڑ بیل رہے ہیں) موصوف کی بیان کردہ ساری تفصیلات کیطرف ادنیٰ اشارہ سے بھی تعرض نہیں کر رہی ہے لیکن موصوف کو اہل کتاب کی تحریف کردہ بائبل اور تلمود وغیرہ سے اتنی دلچسپی ہے کہ وہ انکی خرافات کو بھی اپنی لیپ پوت کے ذریعہ قابل قبول اور لائق تسلیم بنانے کے درپے ہیں ورنہ آیت قرآنی کے الفاظ ہرگز ایسے نہیں ہیں کہ انکی ترجمانی وتفسیر میں ان اسرائیلی خرافات کا سہارا لیا جائے یا انکی لیپ پوت کر کے بات بنائی جائے۔

علامہ کی اصل بیماری

علامہ کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ میں جمہور علماء حق کے ساتھ رہنا پسند نہیں فرماتے، جمہور علماء نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق بخاری شریف کی صحیح حدیث کو قابل یقین تسلیم کر لیا تو موصوف نے فرما دیا کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے پیغمبر کے دامن تقدس پر دھبہ لگتا ہے اسلئے چاہے یہ حدیث کتنی ہی صحیح ہو ہم نہ مانیں گے ——— اور یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے دامنِ تقدس کو میلا اور داغدار بنانے کی خاطر کیسی بے سروپا روایات کا سہارا لے رہے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق بے جھجھک ایسی بات منسوب فرما رہے ہیں جو نہ الفاظ قرآنی سے نکلتی ہے نہ کسی مستند حدیث سے ہی ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ انکے شایان شان کہی جا سکتی ہے۔

علامہ کا یہ متضاد طرزِ عمل صرف اسلئے ہے کہ وہ جمہور کی راہ سے ہٹ کر اپنی نئی راہ نکالنے ہی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں

ہنر بچشم عداوت

تفہیمات کے حاشیہ سے جو بات اوپر نقل ہوئی اسکو دیکھکر علامہ کی "صحابہ بیزاری" کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف نے حضرات انصار مدینہ کے حسن اخلاق و ایثار کا رشتہ اسرائیلیوں کے اس رواج سے جوڑ دیا (جسکی تصویر کشی موصوف نے یوں فرمائی ہے " یہ کوئی معیوب بات نہ تھی کہ

کوئی شخص کسی کی بیوی کو پسند کر کے اس سے طلاق کی درخواست کرے" کیا علامہ حضرات مہاجر وانصار کے معاملہ میں بھی یہی تصور رکھتے ہیں کہ وہاں بھی ان حضرات نے اپنی اپنی پسند کی عورتوں کو طلاق دلوا کر ان سے شادی کر لی تھی) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷۔ سیدنا حضرت یونس علیہ السلام کی تنقیص شان

(فریضۂ رسالت میں کوتاہی اور بے صبری کا الزام)

علامہ مودودی صاحب "تفہیم القرآن" میں ص ۳۱۲ ج ۲ پر سیدنا حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"قرآن کے اشارات اور صحیفۂ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انھوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا تھا، اسلئے جب آثار وعذاب دیکھکر آشوریوں نے توبہ واستغفار کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا۔ قرآن میں خدائی دستور کے جو اصول وکلیات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اسوقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر دیتا، پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقررہ وقت سے پہلے خود ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا (تفہیم القرآن ص ۳۱۲ ج ۲ طبع سوم)

تبصرہ:۔ علامہ کی یہ عبارت جو تفہیم القرآن جلد دوم سے نقل کی گئی یہ تفہیم کے

تیسرے ایڈیشن کے مطابق ہے جسے مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں جز ۵ ص ۵۶ پر نقل فرمایا ہے (بعد کے ایڈیشنوں میں یہ عبارت اس طرح باقی نہیں رہ گئی ہے)

علامہ کے اس ارشاد کی زد صرف سیدنا یونس علیہ السلام ہی تک محدود نہیں ہو جاتی بلکہ اسکی زد نعوذ باللہ منہ اللہ تعالیٰ پر بھی پڑتی ہے، اسکی رو سے شیعوں کے عقیدہ بدا کا بھی ثبوت ہو جاتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کا علم محیط بھی صحیح معنی میں محیط و کامل نہ تھا نعوذ باللہ منہ۔ اسے یہ بھی علم نہ تھا کہ جس ذات کو اس نے منصب نبوت و رسالت سے نوازا ہے وہ پوری طرح فریضۂ رسالت انجام بھی دے سکے گا یا نہیں؟

ہاتھ کی صفائی

تفہیم القرآن کی مندرجہ بالا عبارت پر حضرات علماء کی طرف سے جب گرفت و مواخذہ کا سلسلہ شروع ہوا تو علامہ نے نہایت خاموشی اور بڑی صفائی کے ساتھ جلد دوم کی یہ عبارت نکال دی مگر اسکا کوئی اعلان و اظہار نہ فرمایا کہ لوگوں کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے اور وہ اپنی معلومات کی اصلاح بھی کرلیں، جسکے پاس تفہیم القرآن کا تیسرا ایڈیشن ہے وہ اسکو درست کرلے اور اگر کسی قسم کی بدعقیدگی میں مبتلا ہو گیا ہو تو اس سے توبہ کرلے۔ بعد کے ایڈیشنوں میں جلد دوم کا یہ حاشیہ کافی تبدیل و مختصر کر کے اسطرح کر دیا گیا ہے۔ (حاشیۂ مذکور میں فرماتے ہیں):-

"قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے وہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جو مفسرین قرآن نے بیان کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ عذاب کی اطلاع دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنا مستقر چھوڑ کر چلے گئے تھے ـــــــــ پس جب نبی نے اس قوم کی مہلت کے آخری لمحے تک نصیحت کا سلسلہ جاری نہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کے مقررہ وقت سے پہلے بطور خود ہجرت کر گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا کیونکہ اس پر اتمام حجت کی قانونی

شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں" (حاشیہ ص۹۹)

اقتباس بالا میں علامہ کا یہ ارشاد کہ ـــــ " وہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جو مفسرین قرآن نے بیان کی ہے" ـــــ بڑی حد تک مغالطہ ہی پر مبنی ہے کیونکہ موصوف نے جو تفسیر فرمائی ہے اسکے کچھ حصے تو بعض مفسرین کی تفسیروں میں موجود ہیں لیکن ـــــ " فریضہ رسالت میں کوتاہی" ـــــ یہ علامہ ہی کی ذہانت اور تدقیق کا کارنامہ ہے ۔ اور ان مفسرین کے علاوہ دوسرے مفسرین تو اس آیت کی اس تفسیر ہی سے متفق نہیں ہیں، وہ حضرات اس آیت کی تفسیر ہی ایسے طور پر کرتے ہیں کہ علامہ کے پیدا کردہ اعتراض و جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ (آیت کی تفسیر سے متعلق تفصیل کلام انشاءاللہ تعالیٰ "تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش" حصہ دوم میں کیا جائے گا، علامہ کی تفسیری غلطیوں کی نشان دہی کیلئے وہ مستقل تصنیف لائق مطالعہ ہے)

تیسری بیماری

تنقیص وتنقید حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تاریخ اسلام میں انسانیت کا سب سے مقدس وپاکیزہ گروہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی "جماعت مرضیہ" ہے جن کے تقدس و پاکیزگی پر خود خالق انسانیت ہی نے شہادت دی ہے مگر علامہ مودودی جو اپنے زعم میں کسی کو بھی تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے کی ہلک بیماری میں مبتلا ہیں وہ اپنی متعدد تصنیفات (تجدید واحیائے دین۔ تفہیم القرآن۔ تفہیمات اور خلافت وملوکیت وغیرہ) میں متعدد صحابۂ کرام (خلیفۂ راشد شہید مظلوم حضرت سیدنا عثمان ذوالنورینؓ، حضرت معاویہؓ اور بعض دوسرے حضرات) رضی اللہ عنہم کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف جو کہ حضرات انبیاء کرام کی ذوات مقدسہ پر بھی تنقید فرمانے میں اپنی بیباکی وجسارت کا مظاہرہ فرما چکے ہیں وہ ان حضرات صحابہؓ کی شان اقدس میں تو اور کھل کھیلے ہیں۔

"بینات" سے اقتباس

آئندہ سطور میں ہم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدیر "بینات" کے خصوصی شمارہ "اختلاف امت اور صراط مستقیم" سے کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں، موصوف فرماتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ ــ صحابۂ کرام انسان ہی تھے فرشتے نہیں تھے وہ معصوم عن الخطا نہیں تھے ان سے لغزشیں اور غلطیاں کیا بڑے بڑے گناہ ہوئے ہیں یہ کہاں کا دین وایمان ہے، کہ ان کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے"

میں پہلے تو عرض کرونگا کہ مولانا مودودی کو تو صحابۂ کرام کی غلطیاں چھانٹنے کیلئے واقدی اور کلبی وغیرہ کا سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت پڑی لیکن خدائے علام الغیوب صحابۂ کرام کے ہر ظاہر و باطن سے باخبر تھے انکے قلب کی ایک ایک کیفیت اور ذہن کے ایک ایک خیال سے واقف تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ انسان ہیں معصوم نہیں' ان تمام امور کا علم محیط رکھنے کے باوجود جب اللہ تعالیٰ نے انکو "رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ" کا اعزاز عطا فرما دیا تو انکی غلطیاں بھی " ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست " کا مصداق ہیں۔ اسکے بعد مولانا مودودی کو ان اکابر کی خردہ گیری وعیب چینی کا کیا حق پہونچتا ہے؟ کیا یہ حق تعالیٰ سے صریح مقابلہ نہیں کہ وہ تو ان تمام لغزشوں کے باوجود صحابۂ کرام رضؓ سے اپنی رضائے دائمی کا اعلان فرما رہے ہیں مگر مولانا مودودی ان اکابر سے "راضی نامہ" کرنے پر تیار نہیں" (ص ۱۳۶ و ص ۱۳۷)

اگر مولانا کو صحابۂ کرام کا پاس ادب ملحوظ ہوتا تو وہ قرآن کریم کے صریح اعلان "رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ " کے بعد صحابۂ کرام کی بلند و بالا شخصیتوں کو افسانہ نگاری کا موضوع نہ بناتے" (ص ۱۳۵)

دوسری گذارش میں یہ کرونگا کہ چلئے! فرض کریجئے کہ صحابۂ کرام سے غلطیاں ہوئی ہونگی مگر سوال یہ ہے کہ آپ چودہ سو سال بعد ان اکابر کے جرائم کی دستاویز مرتب کرکے اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کے سوا اور کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ اکابر دنیا میں موجود ہوتے تب تو آپ انھیں انکی غلطیوں کا نوٹس دے ڈالتے مگر جو قوم تیرہ چودہ سو سال پہلے گذر چکی ہے اسکے عیوب و نقائص کو غلط سلط حوالوں سے چن چن کر جمع کرنا اور ساری غلاظت کا ڈھیر قوم کے سامنے لگا دینا اسکا مقصد اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں صحابۂ کرام سے جو حسن عقیدت ہے اسے مٹا دیا جائے اور اسکی جگہ قلوب پر صحابہ رضؓ سے بغض و نفرت کے نقوش ابھارے جائیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کس عقل و دانش اور

دین وایمان کا تقاضا ہے؟

خلافت و ملوکیت میں مولانا مودودی نے جس نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے اسے ہمارے عقائد کی کتابوں میں "مشاجرات صحابہؓ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ باب ایمان کا ایسا پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے اسلئے سلف صالحین نے ہمیشہ پاس ادب ملحوظ رکھنے اور زبان وقلم کو لگام دینے کی وصیت کی ہے کیونکہ بعد کی نسلیں ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ کے سطحیں میں لوگ بھی اسی وادی پرخار میں دامن تار تار کر چکے ہیں (چند سطروں کے بعد) سب سے بڑھکر تکلیف دہ چیز یہ ہے کہ تیرہ چودہ سو سال کے واقعہ کی تحقیقات کے لئے مولانا "عدالت شرعیہ" قائم کرتے ہیں جس کے "صدر نشین" وہ خود بنتے ہیں اکابر صحابہؓ کو اس عدالت میں ملزم کی حیثیت سے لایا جاتا ہے واقدی وکلبی وغیرہ سے شہادتیں لی جاتی ہیں، صدر عدالت خود ہی جج بھی ہے اور خود ہی وکیل استغاثہ بھی، اگر سلف صالحین (مثلاً ابن تیمیہؒ، باقلانیؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ جیسے حضرات) اکابر صحابہ کی صفائی میں کچھ عرض ومعروض کرتے ہیں تو اسے وکیل صفائی کی خوامخواہ سخن سازی اور غیر معقول تاویلات کہکر رد کر دیا جاتا ہے ——— اس طرح یک طرفہ کارروائی کے بعد مولانا اپنی تحقیقاتی رپورٹ مرتب کرتے ہیں اور اسے "خلافت و ملوکیت" کے نام سے قوم کی بارگاہ میں پیش کر دیتے ہیں۔

اس امر سے قطع نظر کہ ان تحقیقات میں دیانت وامانت کے تقاضوں کو کس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے اس سے قطع نظر کہ شہادتوں کی جرح ونقد میں کہاں تک احتیاط برتی گئی ہے اور اس سے بھی قطع نظر کہ فاضل جج نے خود اپنے ہی تصورات کو واقعات کا رنگ دینے میں کس حد تک سلامتیٔ فکر کا مظاہرہ کیا ہے ——— مجھے باادب یہ عرض کرنا ہے کہ آیا مولانا کی اس خود ساختہ عدالت کو اس کیس کی سماعت کا حق حاصل ہے؟ کیا یہ مقدمہ جبکی تیرہ چودہ سو سال بعد مولانا یہ تحقیقاتی رپورٹ مرتب کرتے بیٹھے ہیں انکے دائرہ اختیار

میں اختیار آتا ہے ؟

کیا انکی یہ حیثیت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں کا مقدمہ نمٹانے بیٹھ جائیں ؟ ــــــــ مجھے معلوم نہیں کہ مولانا کے مداحوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ :-

صحابہ کرامؓ کے مقدمہ کی سماعت ان سے اوپر کی عدالت ہی کر سکتی ہے اور وہ یا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا خود احکم الحاکمین ۔

ان کے سوا ایک مولانا مودودی نہیں امت کا کوئی فرد بھی اسکا مجاز نہیں کہ وہ قدوسیوں کے اس گروہ کے معاملہ میں مداخلت کرے ــــــــ ایسے ہی موقعوں پر کہا گیا ہے " ایاز قدر خویش بشناس " (انتہی)

حضرات صحابہ کرامؓ پر بے لاگ تنقید

سطور بالا میں " بینات " سے ایک خاصا طویل اقتباس پیش کیا جا چکا ہے جس میں مولانا محمد یوسف صاحب نے نہایت عمدہ و دلنشین انداز میں یہ بات صاف فرما دی ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ معاملات ہرگز ایسے نہیں جنھیں مقدمات کا رنگ دیکر علامہ مودودی یا کوئی دوسرے علامہ خمینی وغیرہ اسکی سماعت کریں اور انکے خلاف اپنے فیصلے صادر فرما سکیں ۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اسی سلسلے میں علامہ کی کتاب " خلافت و ملوکیت " سے کچھ اقتباسات پیش کر دیں جن سے ناظرین پر یہ حقیقت بھی تو اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علامہ موصوف نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق کیسے کیسے فیصلے صادر فرمائے ہیں ۔

حضرات صحابہؓ پر قبائلی عصبیت کا الزام

فرماتے ہیں :-

(الف) " جب حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو حضرت سعد بن عبادہ نے

قبائلی عصبیت ہی کی بنا پر انکی خلافت تسلیم کرنے سے اجتناب کیا (خلافت وملوکیت ص۹۷)۔ (با) "اسی طرح حضرت سفیان کو بھی عصبیت ہی کی بنا پر انکی خلافت ناگوار ہوئی تھی"۔ (جیم) "بد قسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ (اس عصبیت سے پاک حکومت کے) معاملہ میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ انکے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے" (ص۹۹)۔ (دال) "اس (قبائلی عصبیت) کا نتیجہ آخر وہی ہوا ـــــ (یعنی) انکے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیت کی دبی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں (غور فرمالیا جائے کہ قبائلیت کی چنگاریاں سلگانے کا الزام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر لگایا جارہا ہے) جنکا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام ہی کو پھونک کر رہا" (ص۱۰۱)۔ (ھا) "جب حضرت عثمان حضرت عثمان جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے، انھوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں" (ص۱۰۶) ـــــ (علامہ کے ادب و انشار کی بڑی شہرت ہے مگر احقر کو تو یہ تعبیر کچھ بر محل نہ لگی، واقعہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ کی ان بیجا رعایات کو وجہ اعتراض اور خود سیدنا عثمانؓ کو ہدف اعتراض کہنا ہی صحیح تعبیر ہوتی)۔ (واو) "اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے ـــــ ان باتوں کا ردعمل صرف عوام ہی پر نہیں اکابر صحابہ تک پر کچھ اچھا نہ تھا" (ص۱۰۱)۔ (زا) "محض

قابلیت اس بات کیلئے کافی دلیل نہ تھی کہ خراسان سے لیکر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دیدیا جاتا اور سکریٹریٹ پر بھی اسی خاندان کا آدمی مامور کردیا جاتا۔ یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دیئے جائیں" (ص۱۰۹)۔ (ح)

"حضرت عثمانؓ کی یہ پالیسی لوگوں کیلئے اور بھی زیادہ بے اطمینانی کی موجب بن گئی، خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو پے در پے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہ اعتراض تھا اس پر بھی جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جارہے ہیں تو اس طرح کے اشخاص تو فطری طور پر انکی بے چینی میں اضافہ ہوجاتا تھا" (ص۱۱۵)۔ (ط) "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو اسکو خوامخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف ہی کا تقاضا ہے نہ ہی دین کا مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے" (ص۱۱۶)۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں سے پہلا حضرت سعد بن عبادہ اور دوسرا حضرت سفیان رضی اللہ عنہما سے متعلق ہے باقی آخر کے سات اقتباسات تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں ان سب میں ان حضرات پر قبائلی عصبیت کا الزام نہایت بیباکی کے ساتھ لگایا گیا ہے

مقام غور ہے وہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنکا تزکیہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو اور جنھیں بارگاہ احکم الحاکمین سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اعزازی سند رضا بھی عطا ہوچکی ہو کیا وہ حضرات

بھی ـــــ ایسے بے صلاح اور غیر مزکی ہونگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی "عصبیت جاہلیہ" اور غیر معیار مطلوب کی طرف رجعت قہقری شروع کردیں گے ـــــ علامہ مودودی صاحب جب حضرات صحابۂ کرام کی تصویر کشی اسطرح فرمارہے ہیں تو پھر وہ لوگ جنھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت اور سعادت تزکیہ نصیب نہو سکا ہو تو انکی صلاح و تربیت کس طرح قابل اطمینان ہو سکتی ہے؟

چنانچہ علامہ مودودی اپنی اسی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر قبائلی عصبیت کے سلسلے میں فرد جرم تیار کرتے ہوئے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ نکتہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"اس خاندان (بنو امیہ) کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں تھے، طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے انکو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے، حضرت معاویہؓ ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم انہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے ـــــ (چند سطروں کے بعد) "اسلامی تحریک کی سربراہی کیلئے یہ لوگ موزوں بھی نہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبی صلی علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے انکو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ انکے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری "قلب ماہیت" ہو جاتی وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ثابت بھی ہوئے لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کیلئے تو نہیں آیا تھا وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کیلئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھکر ذہنی و اخلاقی تربیت

کی ضرورت تھی اور اسکے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے" (ص۱۰۹ و ص۱۱۰)

کیا فرماتے ہیں حضرات نکتہ شناس!

اقتباس بالا میں حضرات صحابہؓ کے صلاح و تزکیہ سے متعلق علامہ کا تجزیہ ملاحظہ فرمانے کے بعد اگر ممکن ہو تو حضرات نکتہ شناس مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات مرحمت فرمانے کی زحمت گوارا فرمالیں۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت و تربیت میسر نہ آسکنے کے باعث ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت نہونے کی جو بات علامہ نے اوپر ارشاد فرمائی ہے تو یہ بات کیا صرف انھیں طلقاء کے ساتھ مخصوص و محدود ہے (جن کے نام موصوف نے اوپر شمار کرائے ہیں) یا وہ سارے حضرات صحابہ بھی اس ذیل میں آجاتے ہیں جنھیں آپ کا شرف صحبت و تربیت صرف قلیل و مختصر مدت ہی کیلئے میسر آسکا ہو؟ مثلاً خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ وہ بھی حضرت سفیانؓ ہی کے ساتھ شرف اسلام سے مشرف ہوئے تھے؟ یا مثلاً قریش و انصار کے علاوہ عرب کے دور و دراز علاقوں کے جو حضرات مسلمان ہوئے اور انھیں طویل صحبت و تربیت نہ مل سکی تو کیا ایسے تمام حضرات نعوذ باللہ منہ ناقص و غیر مکمل اور بے تربیت و بے تزکیہ ہی تھے؟

۲۔ جب حضرات معاویہ و ولید بن عقبہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم جیسے حضرات بھی اسوقت اسلامی تحریک کی "سربراہی" کیلئے موزوں نہو سکتے تھے (کیونکہ ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت نہو سکی تھی) تو آج کے اس دور فساد میں جو حضرات تحریک اسلامی کی سربراہی کے امیدوار و دعویدار بن رہے ہیں انکی تربیت و تزکیہ کو کس طرح قابل اطمینان اور لائق اعتماد

قرار دیا جاسکتا ہے؟ انکی سیرت و کردار کا قلب ماہیت آخر کس جگہ اور کس طرح انجام پاگیا؟

۳۔ جن حضرات کو علامہ مودودی نے کامل طور پر تربیت یافتہ نہ تسلیم کرتے ہوئے انھیں اسی نقص کی بنا پر تحریک اسلامی کی سربراہی یا کسی قسم کی بھی قیادت کے لئے نااہل قرار دیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اسی طبقہ میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنھیں خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدے اور منصب عطا فرمائے تھے، مثلاً حضرت ابوسفیان رضؓ کو جو فتح مکہ سے صرف ایک دن پہلے ہی مسلمان ہوئے تھے آپؐ نے انھیں پہلے طائف کا محصلِ زکوٰۃ (تحصیلدار) پھر بعد میں علاقہ نجران کا گورنر مقرر فرمایا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتابت وحی جیسی اہم خدمت سپرد فرمائی تھی۔ حضرت ابوسفیانؓ کے دوسرے صاحبزادے حضرت یزید بن ابی سفیان کو آپ نے تیمار کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ اسی طرح حضرت عتاب بن اسید اموی بھی فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے آپ نے انھیں مکہ معظمہ کا گورنر بنا دیا تھا۔

یہ سب ہی حضرات علامہ کی منطق کی رُو سے اسلامی تحریک کی سربراہی اور قیادت کیلئے شاید موزوں نہ رہے ہوں گے کیونکہ یہ سب ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر مدت صحبت و تربیت مختصر ہونے کے باعث انکی سیرت و کردار کا قلب ماہیت کہاں ہوسکا ہوگا؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کیسے قیادت سپرد فرمادی؟

علامہ مودودی خانہ ساز کرسئ عدالت پر

گزشتہ صفحات میں علامہ کی کرسئ عدالت کا ذکر اشارتاً گزر چکا ہے اب ہم یہاں موصوف کی مشہور کتاب "خلافت و ملوکیت" سے ایک اقتباس نقل کر کے انکی پوزیشن خود انھیں کی تحریر سے متعین کرتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں:۔

"میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی "العواصم من القواصم" امام ابن تیمیہ کی "منہاج السنۃ" اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفہ "اثنا عشریہ" پر انحصار کیوں نہ کیا؟ میں ان بزرگوں کا نہایت عقیدت مند ہوں اور یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں کبھی نہ آئی کہ یہ لوگ اپنی دیانت و امانت اور صحت تحقیق کے لحاظ سے قابلِ اعتماد نہیں ہیں لیکن جس وجہ سے اس مسئلہ میں میں نے انپر انحصار کرنے کے بجائے براہ راست اصل ماخذ سے خود تحقیق کرنے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے دراصل اپنی کتابیں تاریخ کی حیثیت سے بیان واقعات کیلئے نہیں بلکہ شیعوں کے شدید الزامات اور انکی افراط تفریط کی رد میں لکھی ہیں جسکی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت "وکیل صفائی" کی سی ہو گئی ہے اور وکالت خواہ الزام کی ہو یا صفائی کی اسکی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اس مواد کیطرف رجوع کرتا ہے جس سے اسکا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور اس مواد کو نظرانداز کر دیتا ہے جس سے اسکا مقدمہ کمزور ہو جائے ——— اسلئے میں نے انکو چھوڑ کر اصل تاریخی کتابوں سے واقعات معلوم کئے ہیں اور ان کو مرتب کر کے اپنے زیر بحث موضوع سے نتائج اخذ کئے ہیں" (ص ۳۲۰)

اس طول طویل تحریر میں علامہ نے ان حضرات علماء کو جو حضرات صحابہؓ سے مطاعن کو دور فرماتے ہوئے انکی طرف سے صفائی پیش کریں اور جوابدہی کریں "وکیل صفائی" کا طنز آمیز لقب دیکر اُن کے جوابات کو ناقابل توجہ "سخن سازی" قرار دیدیا ہے اور بزعم خود جج کی کرسی پر براجمان ہو گئے ہیں اور یک طرفہ فیصلے صادر فرمانے شروع کر دیئے ہیں، اس پوری کاروائی میں "رہل" کی پوری تیاری کا سہرا موصوف ہی کے سر ہے

موصوف نے پہلے تو خود اپنے آپ کو سبائیوں اور رافضیوں کیطرف سے مدعی اور وکیل استغاثہ کی حیثیت میں لاکر حضرات صحابہ کرامؓ پر بے بنیاد الزام تراشیاں فرمائی ہیں پھر دشمنان صحابہ رافضی راویوں (ابو مخنف اور کلبی وغیرہ) کو شہادت میں خود ہی سامنے لاکر بغیر کسی جرح و تنقید انکی شہادت قبول فرمالی ہے اور آخر میں خود ہی اچھل کر کرسئ عدالت پر جابیٹھے اور فیصلے صادر فرمانے لگے جبکی کچھ مثالیں تو اوپر گذر چکی ہیں مزید کچھ مثالیں اب ملاحظہ فرمائی جائیں :۔

حضرت مروانؓ کے متعلق

موصوف فرماتے ہیں :۔

"مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسکا سکریٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہو سکتا تھا (ص۱۱۰)

تبصرہ :۔ علامہ کے اس ارشاد پر تبصرہ کرنے سے پہلے موصوف کی اس تہذیب و شائستگی کی طرف متوجہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے حیدرآباد اور دہلی کی ساری تہذیب بالائے طاق رکھکر حضرت مروان کیلئے "اُس" (واحد غائب کا اشارہ) استعمال فرمایا ہے۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی شان علامہ کی تنقیص سے گھٹ نہیں گئی لیکن علامہ کا جذبۂ پنہاں ضرور آشکارا ہوگیا بقول خاقانی "نے مرا ننگ نے ترا دب است" حضرت مروان کو صغار صحابہؓ میں شمار کیا گیا ہے اکثر محدثین نے انکی روایات حدیث بھی اپنی کتابوں میں نقل فرمائی ہیں۔

علامہ موصوف نے خدا جانے کیوں اس مقام پر یہ وضاحت ضروری نہ سمجھی کہ آخر حضرت مروان کا سکریٹری بنایا جانا کن لوگوں کو گوارا نہ تھا؟ موصوف کی تحریر سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا حضرت مروانؓ کو سکریٹری

بنانا تمام ہی لوگوں کو گوارا نہ تھا چنانچہ موصوف یہ بات اپنی اسی کتاب میں دوسرے مقامات پر بڑی حد تک صاف بھی کر چکے ہیں مثلاً ص۱۰۱ پر فرماتے ہیں :۔

"ان باتوں کا ردعمل صرف عوام ہی پر نہیں اکابر صحابہ تک پر کچھ اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا"

اور ص۳۲۸ پر یوں فرماتے ہیں :۔

"حضرت عثمانؓ کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اسکے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی سبب کے بغیر محض سبائیوں کی سازش سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی یا محض اہلِ عراق کی شورش پسندی کا نتیجہ تھی تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں میں ناراضی پیدا ہونے کے واقعی اسباب موجود نہ ہوتے اور ناراضی فی الواقع موجود نہ ہوتی تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو اس کے اندر شامل کر لینے میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اپنی شرارت میں کامیابی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ اپنے اقربا کے معاملہ میں حضرت عثمان نے جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا اس پر عام لوگوں ہی میں نہیں بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضی پائی جاتی تھی" (ص۳۲۹)

علامہ کے ایسے صریح ارشادات کی روشنی میں موصوف کا یہ فیصلہ بلکہ الزام بالکل متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی بیجا اقربا پروری کا طرزِ عمل صرف شورش پسندوں ہی کو نہیں بلکہ حضرات اکابر صحابہ کو بھی ناگوار تھا۔ علامہ نے اکابر صحابہ کا لفظ یونہی مجمل اور مبہم رکھا ہے خدا جانے ان اکابر میں موصوف کے نزدیک سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بھی شامل تھے یا نہیں؟ اچھا ہوتا کہ علامہ اکابر صحابہؓ کی کچھ تو تعیین فرما دیتے۔

نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم

خلافت وملوکیت کے ان مباحث کے درمیان ایک خلش اور بھی باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ علامہ موصوف اپنی صحافتی فنکاری کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عام مخالفت وناراضی ماننے سے بھی گریز فرمانا شاید اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ اپنی اسی کتاب خلافت وملوکیت میں وہ یوں بھی رقمطراز ہوئے ہیں :۔

"یہی وجہ ہے کہ جو مختصر سا گروہ ان کے خلاف شورش برپا کرنے اٹھا اس نے بغاوت کی دعوت عام دینے کے بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا ـــــــ یہ کسی علاقے کے بھی نمائندے نہ تھے بلکہ ساز باز سے انھوں نے اپنی ایک پارٹی بنائی تھی" (خلافت وملوکیت ص۱۱۷)

غور فرمایا جائے

اقتباس بالا میں علامہ کے خط کشیدہ الفاظ (مختصر سا گروہ، سازش کا راستہ اختیار کیا، کسی علاقے کے بھی نمائندے نہ تھے) قابل غور ہیں۔ موصوف کے یہ فقرے ظاہر کرتے ہیں کہ موصوف نے جس وقت یہ فقرے لکھے ہیں اسوقت تک انھوں نے بھی تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں فرمایا تھا اور وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف برپا ہونے والی شورش کو صرف چند شریروں کی سازش ہی کا نتیجہ سمجھ رہے تھے جن میں اکابر صحابہ کی شرکت دانستہ طور پر ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

ایسی صورت میں یہی تو سمجھا جائیگا کہ موصوف نے اپنے کمال فن کا مظاہرہ فرمانے کے لئے دانستہ یہ انداز اختیار فرمایا ہے کہ کھلے ہوئے تبرائیوں کا طریقہ چھوڑ کر اپنے تبرا پر بے لاگ تنقید وتحقیق کا پردہ ڈالنا بھی ضروری سمجھا ہے۔

خلافت کو ملوکیت کیطرف ڈھکیلنے میں اکابر صحابہؓ بھی شریک

علامہ کے نزدیک خلافت کو ملوکیت کی طرف ڈھکیلنے کے اصل ذمہ دار تو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ٹھہرتے ہیں مگر

موصوف نے بڑی کد وکاوش کے بعد یہ سراغ لگا لیا ہے کہ ملوکیت کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے ہو گئی تھی جس میں دوسرے اکابر صحابہؓ بھی حصہ دار اور شریک رہے ہیں۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں :۔

"تین چیزیں ایسی تھیں جنھوں نے اس رخنے کو (جو نظام خلافت میں پیدا ہو گیا تھا) بھرنے نہ دیا بلکہ اسے زیادہ بڑھا کر ملوکیت کی طرف امت کو ڈھکیلنے میں ایک مرحلہ اور طے کرا دیا ——— "ایک حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے میں ان لوگوں کی شرکت جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لئے باہر سے آئے ہوئے تھے" (ص ۱۲۳)

(چند سطروں بعد) "دوسرے بعض اکابر صحابہ کا حضرت علی کی بیعت سے الگ رہنا" (ص ۱۲۳) (جنکی تعداد موصوف نے ۱۷ سے ۲۰ تک تسلیم کی ہے) (چند سطروں بعد) "تیسرے حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ جسے لیکر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ——— ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالتِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جا سکتی" (ص ۱۲۴)

(چند سطروں بعد) "شریعت الٰہی تو در کنار دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جا سکتا" (ص ۱۲۵)

علامہ کے ان ارشادات کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق و استفسارات سامنے آتے ہیں :۔

(الف) سب سے پہلی چیز (جو علامہ کی تحریروں میں بالعموم اور نمایاں طور پر پائی جاتی ہے)

یہ کہ موصوف اپنے مقابلہ میں کسی دوسرے کے لئے "حق اجتہاد" اور "مادہ علم و فہم" ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں مثلاً حضرت علیؓ کی بیعت سے کچھ اکابر صحابہؓ جو علحدہ رہے نہ تو ان کا علم و فہم ہی کوئی حیثیت رکھتا ہے نہ ہی انکا اجتہاد کوئی مقام رکھتا ہے۔ بس علم و فہم اگر ہے تو علامہ کا اور اجتہاد کا اگر حق ہے تو صرف علامہ کو ہے اسلئے موصوف اپنے علم و فہم اور اپنے ذاتی اجتہاد کے معیار پر ان اکابر صحابہؓ کے علم و فہم اور اجتہاد کو پرکھتے ہوئے اپنے فیصلے صادر فرما رہے ہیں۔

(ب) موصوف نے اپنے زعم میں پہلے تو یہ فیصلہ فرمالیا کہ ملوکیت واقعتاً اتنی ہی مذموم اور ناپسندیدہ ہے جتنی وہ سمجھ رہے ہیں پھر کیسی جسارت و بیباکی سے حضرات اکابر صحابہ کو نظام خلافت کو ملوکیت کیطرف "ڈھکیلنے کا مجرم بھی قرار دیدیا ہے۔

(ج) علامہ نے اپنے زور صحافت میں "خون عثمان کے مطالبہ ہی کو" غیر شرعی اور غیر آئینی قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ نفس مطالبہ دم عثمانؓ کو کسی طرح غیر شرعی اور غیر آئینی نہیں کہا جاسکتا۔ نفس مطالبۂ دم عثمان کو وہی شخص غیر شرعی و غیر آئینی کہے گا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مباح الدم قرار دیدے ـــــ مطالبۂ قصاص میں طریق مطالبہ کو تو موضوع بحث علامہ بنا سکتے تھے لیکن انھوں نے تو نفس مطالبہ ہی کو غیر آئینی قرار دیدیا ہے جو صریح ظلم و زیغ ہے۔

استفسارات

علامہ کے مندرجہ بالا ارشاد کو دیکھتے ہوئے یہ سوالات بھی سامنے آتے ہیں:۔

(الف) علامہ کے قلب مبارک میں ان اکابر صحابہ کی جلالت قدر اور ان کے مرتبہ و مقام کا احترام اگر واقعتاً موجود تھا تو آخر کس جذبۂ پنہانی نے انھیں مجبور کیا تھا کہ وہ ان کے خلاف یوں فیصلہ بھی صادر فرمائیں کہ "یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی" (یا یوں کہ) "شریعت الٰہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا"۔

ان حضرات صحابہؓ کے طرزِ عمل کی صحت و درستی ثابت کرنے کیلئے اگر شریعت الٰہی میں کوئی دلیل موجود نہ تھی تو آخر مشاجرات صحابہ جیسے موضوع پر انھیں رائے زنی کا حق کہاں سے ملا ہے؟ کچھ اس پر بھی روشنی ڈالی ہوتی۔

(ب) ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ ان اکابر صحابہ کی یہ کارروائی جب صرف شریعت الٰہی کی رُو سے نہیں دنیا کے ہر آئین و قانون کی رو سے بھی جائز کارروائی نہیں مانی جاسکتی تھی تو پھر اس کارروائی کو علامہ کیا قرار دینا چاہتے ہیں؟ اسے صاف صاف ناجائز کیوں نہیں فرما دیتے؟ اس تبرا پر یہ نقاب تقیہ کس لئے ڈالا جارہا ہے۔

غنیمت ہے کہ علامہ نے اپنی صحافتی فنکاری کے تحت ہمیں سوال کا جواب بھی اپنی اسی کتاب میں فراہم فرمادیا ہے۔ موصوف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق (واقعۂ تحکیم پر کلام فرماتے ہوئے) تحریر فرماتے ہیں:۔

"جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اُٹھانے کی تجویز سے لیکر اسوقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ "اجتہاد" تھا ——— مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اسکو "اجتہاد" قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر انکی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں" (ص ۱۴۳) (چند سطروں بعد)

"کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہوجاتا بلکہ صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے" (ص ۱۴۳)

علامہ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ دو باتیں صاف کردی ہیں:۔

(الف) حضرات صحابہؓ کی ان غلطیوں کو "اجتہاد" کہنا اور اسکے نتیجہ میں انھیں

بے قصور و بے گناہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ اس طرح تو ایسے "اجتہادات" کی تاویل کا راستہ بھی کھل جائیگا، جسے بند ہی رکھا جانا چاہیئے، لہٰذا علامہ حضرات صحابہ کی ان غلطیوں کو اجتہادی غلطی ماننے اور کہنے کیلئے تیار نہیں ہیں وہ اسے بے ضرورت سخن سازی سمجھتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر انھیں غلطی ہی کہنا چاہتے ہیں۔

(ب) دوسری بات یہ صاف ہو گئی کہ یہ غلطیاں حضرات صحابہؓ کے علاوہ کسی دوسرے سے صادر ہوتیں، تو علامہ کے نزدیک وہ کچھ کم درجہ کی ہوتیں اور ممکن ہوتا کہ موصوف نظرانداز فرما دیں یا ان پر خاموش گذر جائیں۔ مگر اب جبکہ ان غلطیوں کا صدور حضرات صحابۂ کرام سے ہوا ہے تو علامہ کے خیال میں یہ غلطیاں ایسی ہیں کہ انھیں اور نمایاں کیا جائے انکی گرفت و اظہار میں مطلق رو رعایت نہ کی جائے انھیں اجتہادی غلطی کہکر نظرانداز کر دینا یا ان پر خاموش گذر جانا موصوف کے مذہب تنقید میں شاید جائز ہی نہیں ہے۔

موصوف کی یہی منطق اور معقول پسندی ہے جس نے تفہیم القرآن میں حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالنے کیلئے انھیں مجبور کر دیا جس کے نمونے گذشتہ صفحات میں کسی قدر تفصیل سے پیش کئے جا چکے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیخلاف علامہ کے الزامات و اعتراضات

علامہ مودودی نے اپنی مشہور و شاہکار تصنیف "خلافت و ملوکیت" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو الزامات و اعتراضات عائد کئے ہیں آئندہ سطور میں مختصراً انکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں

۱۔ خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنا

علامہ فرماتے ہیں:۔ "حضرت معاویہ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے

انتقال کا عبوری مرحلہ تھا، بصیرت رکھنے والے لوگ اس مرحلہ میں سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ در پیش ہے" (خلافت و ملوکیت ص ۱۴۷)

(چند سطروں بعد) " خلافت علی منہاج النبوۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت صرف یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیتے یا ــــــ مسلمانوں کے اہل علم و اہل خیر کو جمع کر کے انھیں آزادی کیساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کیلئے امت میں موزوں تر آدمی کون ہے؟ لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کیلئے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لیکر انھوں نے اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا" (ص ۱۴۸)

اس موقع پر علامہ مودودی نے اپنا سارا زور قلم اس بات پر تو صرف کر دیا کہ نظام خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کی ساری ذمہ داری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آتی ہے مگر موصوف نے بحث کے اس پہلو کو بالکل ہی نظر انداز فرما دیا کہ "ملوکیت" کا انداز اختیار کرنا کیا واقعتاً بھی ویسا ہی منکر و مکروہ ہے جیسا کہ موصوف نے سمجھ رکھا ہے (اور اپنی ہی عینک سے دوسروں کو بھی دکھلانا چاہتے ہیں) یا واقعہ کچھ اور ہے؟

ہمارے خیال میں تو ایسا آتا ہے کہ موصوف نے محض اس حدیث کی بنا پر جس میں خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت تیس سال متعین فرمائی گئی ہے اور پھر کٹھنی بادشاہت "(ملک عضوض) کی خبر دیگئی ہے۔ حضرت امیر معاویہ کو (اپنے مزعومہ تصور کے مطابق) "ملک عضوض" کا مصداق سمجھ لیا اور انھیں بادشاہ کہنے کو مسنون تک ثابت کر دیا۔ حالانکہ یہ حدیث کچھ مختصر ہے جسکی تفصیل بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتی ہے مگر علامہ ازراہ تحقیق انھیں یکسر نظر انداز ہی فرما گئے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہم ان دوسری احادیث سے بھی کچھ تفصیل

نقل کر دیں، مثال کے طور پر معجم طبرانی کی وہ حدیث شریف ملاحظہ ہو جسے مولانا محمد تقی عثمانی نے علامہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ سے نقل کیا ہے مگر ہم یہاں جمع الفوائد ج۲ ص۳۱ سے نقل کرتے ہیں :۔

"حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ :۔ اس کام (کار اسلام) کی ابتدا، نبوت[۱] و رحمت سے ہوگی، اسکے بعد خلافت[۲] نبوت اور رحمت ہوگی، اسکے بعد ملک[۳] و رحمت کا دور ہوگا، پھر امارت[۴] و رحمت ہوگی، اسکے بعد تو لوگ سلطنت[۵] و حکومت کو گدھوں کی طرح دانتوں سے پکڑیں گے کاٹ کھائیں گے"

(جمع الفوائد ج۲ ص۳۱)

حافظ ابن حجر صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اس حدیث شریف کی رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک و خلافت وغیرہ کو پانچ دوروں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں سے پہلا دور نبوت و رحمت ہے جو خود آپکا دور مبارک تھا، دوسرا دور خلافت نبوت و رحمت تھا، یہ دور خلافت حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک یا خلفائے اربعہؓ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک ممتد رہا، تیسرا دور ملک و رحمت کا رہا اور چوتھا دور امارت و رحمت کا تھا۔ ان دو میں سے کوئی ایک دور حضرت امیر معاویہؓ کا دور بھی تھا اسکے بعد پانچویں دور کو آپؐ نے ملک عضوض فرمایا ہے۔ اس تفصیلی روایت کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ کا طرز حکومت اور دور سلطنت کسی طرح بھی مکروہ و منکر ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی بھی حدیث بالا کے تحت فرماتے ہیں :۔

"خلافت کے بعد جس ملوکت (یہ لفظ صحیح تو ملوکت ہی ہے علامہ نے لغت و قواعد کے خلاف "ملوکیت" کا لفظ استعمال فرما ڈالا ہے) کا ذکر (طبرانی کی) حدیث میں کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت معاویہ کی حکومت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسے رحمت قرار دیا ہے، لہٰذا انکی حکومت میں ایک اعتبار سے "ملک عضوض" کی شان ہے اور ایک اعتبار سے "رحمت" کی لیکن خارجی واقعات کے اعتبار سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں رحمت کی شان زیادہ ظاہر ہے اور ان کے بعد والوں میں ملک عضوض کی" (منقول از حضرت معاویہؓ مولانا تقی عثمانی ص ۱۳۲)

(۲) اسی طرح مشکوٰۃ شریف باب ذکر الشام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے الخلافة بالمدینة والملك بالشام

(۳) اور ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت عبداللہ بن حوالہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن حوالہ جب تم دیکھو کہ میری خلافت ارض مقدس (شام) میں پہونچ گئی تو سمجھ لینا کہ زلزلے قریب آنے لگے" (ازالۃ الخفاء ص ۳۳۲)

(۴) مشکوٰۃ شریف میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سر کے نیچے سے ایک جگمگاتا ستون نور کا نکلا اور وہ شام میں جاکر جم گیا" (مشکوٰۃ شریف عن البیہقی)

جب شام کی یہ حکومت کلی خلافت نبوت ہی ہوئی تو پھر اسے بدنام ملک عضوض کا مصداق قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

۲۔ اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کیلئے رشوت دینے اور لینے کا الزام ملاحظہ ہو

اسی "خلافت و ملوکیت" میں فرماتے ہیں:۔

"اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی حضرت معاویہ انھیں کوفہ کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھیں اسکی خبر مل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق

پہنچے اور یزید سے ملکر کہا ——— "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمھارے بیعت لینے میں کیوں تامل کر رہے ہیں" ——— یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا انھوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کی؟ حضرت مغیرہ نے جواب دیا:۔

"امیر المومنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمانؓ کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولیعہد مقرر کر کے بیعت لے لیں اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہو" حضرت معاویہ نے پوچھا کہ اس کام کو پورا کرا دینے کی ذمہ داری کون لیگا؟ انھوں نے کہا اہل کوفہ کو میں سنبھال لونگا اور اہل بصرہ کو زیاد اسکے بعد پھر اور کوئی مخالفت کرنیوالا نہیں ہے" (خلافت و ملوکیت ص۱۴۹)

علامہ نے اپنے اس "خیالی افسانہ" کے ذریعہ یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ حضرت مغیرہ سے کسی شکایت کی بنا پر حضرت معاویہ انھیں معزول کرنا چاہتے تھے مگر جب حضرت مغیرہ نے انھیں اپنی کوششوں کے ذریعہ ان کے بیٹے کو ولیعہد بنوا دینے کی پیشکش بطور رشوت پہنچادی تو نعوذ باللہ منہ وہ اس رشوت کی وجہ سے انھیں معزول کر دینے کے صحیح و درست اور دیانت دارانہ اقدام سے رک گئے اور ان سے یہ رشوت وصول کر کے انھیں انکی پرانی جگہ کوفہ کی گورنری پر بحال و برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ علامہ موصوف آگے اسی بات کو مزہ لے لیکر یوں فرماتے ہیں:۔

"یزید کی ولیعہدی کیلئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ) نے اپنے ذاتی مفاد (کوفہ کی گورنری کی برقراری) کیلئے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہ) کے ذاتی مفاد (بیٹے کی ولیعہدی) سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا" (ص۱۰۵)

ناظرین کرام! بغور ملاحظہ فرماتے چلیں کہ علامہ نے دو جلیل القدر صحابیوں کی ذات اقدس کیلئے " بزرگ " کا طنز آمیز فقرہ استعمال کر کے اور ان سے متعلق رشوت دہی و رشوت ستانی کی الزام تراشی فرما کر کیسی شرافت اور کیسی شیعیت کو جنم دیا ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون

رشوت کا دوسرا افسانہ حضرت مغیرہؓ و حضرت معاویہؓ سے متعلق یہ داستان نقل فرمانے کے بعد علامہ رشوت ستانی کا ایک دوسرا افسانہ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

" یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو (افسوس کہ علامہ اپنے وسیع مطالعہ کے باوجود ان دس آدمیوں کو نامزد یا متعین نہ فرما سکے اور انکو مبہم رکھنے ہی میں عافیت محسوس فرمائی) تیس ہزار درہم دیکر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولیعہدی کیلئے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا تمھارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں انکا دین خریدا ہے؟ انھوں نے کہا تیس ہزار درہم میں۔ حضرت معاویہ نے کہا تب تو انکا دین انکی نگاہ میں بہت ہلکا ہے " (خلافت و ملوکیت ص ۱۴۹)

علامہ کا کمال صحافت ملاحظہ فرمائیے کہ موصوف نے مندرجہ بالا افسانے میں کس ہوشیاری سے رشوت ستانی کی یہ کہانی پیش فرمائی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت مغیرہؓ دونوں ہی بیک وقت رشوت دہی و رشوت ستانی کے ملزم قرار پا جاتے ہیں۔

اور موصوف کی تحقیق کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ موصوف نے رشوت کا یہ الزام ابن اثیر کی تاریخ کامل سے پیش فرمایا جس میں یہ من گھڑت روایت بغیر کسی سند کے یوں ہی نقل کی گئی ہے ——— پھر مزید کمال علامہ نے یہ بھی انجام دیا ہے کہ حوالہ کیلئے صرف اسی کتاب کو کافی نہ سمجھا جس سے یہ روایت نقل کی گئی ہے بلکہ اسکے علاوہ تین کتابوں کے مزید نام بھی شامل کر دیئے گئے یعنی تاریخ طبری، ابن خلدون اور البدایہ والنہایہ ——— حالانکہ ان کتابوں میں رشوت ستانی کا یہ افسانہ مذکور نہیں ہے اور ابن اثیر کی تاریخ کامل بھی اس روایت کو بالکل ناقص طور پر بغیر سند ہی ذکر کر رہی ہے۔

ایک عجیب وغریب انکشاف

علامہ کے محبین صادقین کو یہ انکشاف شاید لائق یقین سمجھ میں آئے گا ——— مگر جب علامہ حضرات صحابۂ کرام عزت وحرمت سے کھیلنے کیلئے من مانی طور ہر کتاب کی ہر روایت کو کافی سمجھتے ہیں تو ہم بھی موصوف ہی کے تتبع میں یہ عجیب وغریب انکشاف پیش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ علامہ موصوف جو آج حضرات صحابہ کے متعلق رشوت ستانی کی یہ فرضی کہانی نقل فرما کر اس پر معترض ہو رہے ہیں ابھی کچھ دنوں پہلے ہی ایک موقع پر (جب پاکستانی جماعت اسلامی نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا) ووٹوں کی خریداری کو جائز قرار دے چکے ہیں اور اسکے جواز کیلئے مولفۃ القلوب کی نظیر اور آیت قرآنی سے استدلال بھی فرما چکے ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الفرقان لکھنو بابت اکتوبر ۵۸ء نیز جناب حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سابق رکن جماعت اسلامی پاکستان کا "المنیر" بابت ستمبر ۵۸ء)

۳۔ بیعت یزید کے کیلئے جبر واکراہ اور قتل کی دھمکی دینے کا الزام

فرماتے ہیں:۔

" حضرات صحابہ میں سے جو

حضرات خلافت کے اہل اور دعویدار ہوسکتے تھے انھیں قتل کی دھمکی دیکر یزید کی بیعت کیلئے مجبور کیا" (خلافت و ملوکیت ص۱۵۳)

علامہ کے اس قسم کے سارے ہی الزامات و اعتراضات کے جوابات مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے "اظہار حقیقت" میں اور مولانا محمد تقی عثمانی نے "حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق" میں دیا ہے اس دوسری کتاب سے کچھ ہم بھی مختصرا طور پر نقل کرتے ہیں، مولانا عثمانی فرماتے ہیں :۔

" جہاں تک جبر و اکراہ کا تعلق ہے یہ صرف کامل ابن اثیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں (ابن اثیر) نے حسب عادت بغیر سند کے نقل کی ہے ـــــ طبری میں بھی جو ابن اثیر کا سب سے بڑا ماخذ ہے اسکا کوئی ذکر نہیں، اسکے برعکس مشہور مورخ احمد الیعقوبی حضرت معاویہؓ کے اس سفر کا ذکر کرتے ہوئے جو اکابر صحابہؓ سے جبری بیعت لینے کے لئے بتایا جاتا ہے) صاف لکھتے ہیں :۔

"اور حضرت معاویہ نے اس سال حج کیا تو لوگوں کی دلداری کی اور (یزید کیلئے) بیعت پر انھیں مجبور نہیں کیا" (الیعقوبی ص۲۲۹ ج۲ بحوالہ حضرت معاویہ ص۱۰۹)

اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یعقوبی مشہور شیعہ مورخ ہے نیز طبری کا تشیع بھی محتاج ثبوت نہیں ہے اسکے باوجود صورت حال یہ ہے کہ طبری تو اس جبر و اکراہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتے اور یعقوبی پوری صراحت کے ساتھ اس جبر و اکراہ کی پوری تردید و نفی بھی کرتے ہیں جسے ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں بے سرو پا انداز میں یونہی بلا سند نقل کر دیا ہے۔

ایسی صورت میں یہ تو کوئی معقول اور صحیح بات نہو گی کہ علامہ موصوف طبری و یعقوبی کی روایات کو یکسر نظر انداز فرماتے ہوئے صرف ابن اثیر کی بے سند روایت پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھیں؟

تاریخی ریسرچ اور تحقیق کا ایسا نادر نمونہ وہی شخص پیش کر سکتا ہے جسے حضرات صحابہؓ کے معائب ومثالب تلاش کرنے اور انھیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ اور کرید کرید کر نمایاں کرنے ہی میں کچھ لذت آتی ہو ہماری نظر میں طبری کی وہ روایت بھی ہے جس میں یزید کی بیعت کے لئے حضرت معاویہؓ کے کردار کو مکر وفریب اور جبر واکراہ پر مشتمل دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس روایت کی حقیقت یہ ہے کہ اسے مورخ طبری نے کمال احتیاط کے ساتھ ایک گمنام شخص سے روایت فرمایا ہے جو مقام نخلہ کا کوئی باشندہ تھا ـــــ یہ کچھ پتہ نہیں کہ وہ شخص کون تھا اور کس قسم کا تھا مسلمان بھی تھا یا نہیں؟ صالح ومعتبر تھا کوئی غیر معتبر شیعی وسبائی تو نہ تھا؟ ـــــ ایسے مجہول شخص کی مہمل روایت کی بنیاد پر کسی صحابی کے دامنِ تقدس کو کس طرح داغدار کیا جا سکتا ہے؟

بیعت یزید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

علامہ مودودی نے یزید کی ولیعہدی کے موقع پر اسوقت کے اکابر صحابہ کے انکار بیعت کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کا بھی ذکر فرمایا ہے (دیکھئے خلافت وملوکیت ص۱۵۱ پر فرماتے ہیں:- "اس مجلس میں حضرت عبدالرحمان کی طرح حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے بھی یزید کی ولیعہدی ماننے سے انکار کر دیا" (ص۱۵۱) ـــــ حالانکہ بخاری ومسلم میں حضرت نافع کی روایت موجود ہے جسمیں کہا گیا ہے

"جب اہل مدینہ نے حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کے جملہ افراد اولاد نوکر چاکر کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے ہر غدار بیعت توڑنے والے، کیلئے قیامت کے روز (اسکی رسوائی آشکارا کرنے کیلئے) ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا (اس لئے تم سب سن رکھو کہ) ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت

کر لی ہے جیسی بیعت اللہ ورسول کو مطلوب ہے ــــــ اور مجھکو اس سے بڑھ کر کوئی غداری معلوم نہیں ہے کہ ــــ انسان کسی کے ہاتھ پر اللہ ورسول کی بیعت کرے پھر بعد میں اسی (خلیفہ) سے معرکہ آرا ہوکر قتال کرنے لگے ۔ لہٰذا اب مجھے یہ بات معلوم نہو کہ تم میں سے کسی نے بھی (یزید کی) یہ بیعت توڑ دی ہے یا اسکی بیعت کو انجام نہیں دیا، (اگر ایسا ہوا) تو ایسے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہو گا" (جمع الفوائد ص ۳۱۶ ج ۱ بخاری شریف ص ۱۰۵۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت و وصیت سے جہاں خود انکی بیعت یزید کا حال معلوم ہوتا ہے وہیں علامہ مودودی کے اس ارشاد کی بھی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے ۔ موصوف نے انتہائی صحافتی فنکاری کے طور پر سپرد قلم فرمایا ہی فرماتے ہیں:

"ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کئے لیتے ہیں کہ اصولِ اسلام کے لحاظ سے حضرت حسین کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں ؛ اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ و تابعین میں کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ انکا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرتے جارہے تھے" (ص ۱۷۹)

فیصلہ ناظرین کو فرمانا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر کی مندرجہ بالا روایت کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ ناظرین کو فرمانا ہے کہ علامہ مودودی کو بخاری و مسلم کی یہ روایت کیوں نظر نہ آسکی ؟ ــــــــــ اسی طرح کتب تاریخ میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سعید خدری، حضرت ابو واقد اللیثی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال منقول ہیں مثلاً :-

(۱) ــــ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف اقدام سے روکتے ہوئے فرمایا اتقیا اللہ

ولا تفرقا جماعۃ المسلمین (آپ دونوں خدا سے ڈریں اور مسلمانوں میں انتشار کا سبب نہ بنیں) (طبری ص ۱۹۱ ج ۶)

(۲) — حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے وقلت لہ اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک (میں نے انسے (حضرت حسین رض) سے کہا کہ اپنے دل میں خدا سے ڈریں، اپنے گھر میں بیٹھے رہیں اور اپنے امام (خلیفہ) کے خلاف خروج نہ فرمائیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۳ ج ۸)

(۳) — حضرت ابو واقد اللیثی نے سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ میں روکا اور خدا کی قسم دیکر فرمایا ان لا تخرج فانہ من یخرج من غیر وجہ خروج انما خرج یقتل نفسہ (آپ خروج نہ کریں کیونکہ جو شخص بلا وجہ خروج کے اقدام خروج کرتا ہے تو وہ اپنی جان دینے ہی کو نکلتا ہے۔) (البدایہ ص ۱۶۳ ج ۸)

(۴) — حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں فقلت لہ اتق اللہ ولا تقرب الناس بعضھم ببعض" (میں نے ان سے کہا اللہ سے ڈریں اور لوگوں کو باہم نہ لڑائیں) (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۳ ج ۸)

مندرجہ بالا اقوال صحابہؓ بھی علامہ کو نظر نہ آسکے حالانکہ "خلافت و ملوکیت" کو تصنیف کرنے کے دوران موصوف نے ان کتب تاریخ کی ورق گردانی خوب خوب فرمائی ہوگی۔

راقم السطور نے کتب حدیث و تاریخ سے ان اقوال کی نشاندھی صرف اسلئے ضروری سمجھی کہ ناظرین کھلی آنکھوں دیکھ لیں کہ علامہ کی آنکھوں پر رفض کی عینک لگی ہوئی ہے ورنہ ان حضرات کے مقدمات پر فیصلہ دینا بعد کے لوگوں کا کام نہیں ہے۔

۴۔ مسلمان کو کافر کا وارث قرار دینے کی بدعت جاری کرنا

علامہ مودودی نے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ انھوں نے مسلمان کو کافر کا وارث بنا کر ایک بدعت جاری کر دی تھی جو ان سے پہلے نہ تھی (خلافت و ملوکیت ص۱۷۳ ملاحظہ ہو) حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اسوقت بھی حضرات صحابہ کے درمیان اختلافی تھا بعض دوسرے صحابہ بھی اسکے قائل تھے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔ چنانچہ حضرت معاویہ کی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا اور بعض تابعین بھی اسکے قائل رہے ہیں (مزید تفصیل مولانا تقی عثمانی کی کتاب میں ملاحظہ ہو (ص۱۴۲ تا ص۱۷۱)

۵۔ دیت کے احکام میں بھی بدعت کا اجرا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تقدس صحابیت کو مجروح فرماتے ہوئے مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"دیت کے احکام میں بھی بدعت جاری کرتے ہوئے ذمی کی دیت کو دیت مسلم کا نصف کر دیا اور نصف کو اپنے لئے کر لیا" (خلافت و ملوکیت ص۱۷۴)

اس الزام کی حقیقت بھی الزام سابق جیسی ہے کہ ذمی کی دیت کا مسئلہ بھی حضرات صحابہ رضؓ کے دور میں مختلف فیہ رہا ہے، حضرت معاویہ کا یہ فعل کسی طرح بھی "بدعت" کی پھبتی کا متحمل نہیں ہو سکتا اور علامہ کا یہ الزام تو بالکل ہی غلط اور بہتان ہے کہ نصف دیت کو انھوں نے اپنے لئے کر لیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ وہ نصف "بیت المال" کیلئے ہوتا تھا (تفصیل مولانا عثمانی کی کتاب ص۱۸۱ تا ص۲۰۰ میں ملاحظہ ہو)

۶۔ غنیمت میں خیانت کا الزام

مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت کر کے سونا چاندی اپنے لئے الگ کرالیا" (ص۱۷۴)

اس الزام کی صفائی و جوابدہی میں بڑی آسانی سے اور بالکل ترکی بہ ترکی کہا جا سکتا

ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو مال غنیمت میں خیانت ہرگز ہرگز نہیں فرمائی البتہ انکے خلاف فیصلہ دینے والے فاضل جج جناب مودودی نے ضرور خیانت سے کام لیا ہے کیونکہ موصوف نے اپنے الزام کے ثبوت میں جن کتابوں کی شہادت پیش کی ہے انمیں "البدایہ والنہایہ" کا بھی نام ہے اور صورت حال یہ ہے کہ "البدایہ والنہایہ" کی شہادت موصوف کے الزام و دعوی کے بالکل خلاف ہے جسے مودودی صاحب نے اپنے موافق ظاہر کرکے زبردست علمی وتحقیقی خیانت کا ارتکاب کیاہے، ملاحظہ ہوالبدایہ والنہایہ کے الفاظ تو یہ ہیں "یجمع کله من هذه الغنیمه لبیت المال" (اس مال غنیمت کا یہ سارا سونا چاندی (جسکا ذکر اوپر ہے) بیت المال کیلئے الگ جمع کرلیا جائے) (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۲۹)۔

ایسی صراحت کے بعد بھی وہ الزام تراشی اسی وقت کیجا سکتی ہے جب کوئی شخص اس الزام تراشی ہی کو اپنی پوری ذمہ داری سمجھ لے اور صحابہ دشمنی کو اپنا مطمح نظر قرار دے لے۔

۷۔ دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل علامہ مودودی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو فہرست الزامات (چارج شیٹ) تیار کی ہے ان میں ایک بہت نمایاں الزام حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا واقعہ قتل بھی ہے۔ اس واقعہ پر بحث وتبصرہ کافی طول چاہتا ہے جسکی گنجائش اس مختصر رسالہ میں نہیں ہے جو صاحب پوری بحث دیکھنا چاہیں وہ خلافت وملوکیت ص۱۶۳ تا ص۱۶۵ اور اسکے ساتھ مولانا تقی عثمانی کی کتاب حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق از ص۔ تا ص۔ ضرور ملاحظہ فرمالیں کہ علامہ کی تحقیق کا جو شہرہ ہے اسکی کچھ حقیقت سامنے آجائے۔ علامہ موصوف نے حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ کو رنگ دینے کیلئے اپنے مخصوص صحافتی انداز میں اسکی تمہید یوں سپرد قلم فرمائی ہے، چنانچہ موصوف "آزادی اظہار رائے کا خاتمہ" کے زیر عنوان ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اس دور کے تغیرات میں سے ایک اور اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی، حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا۔ دورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے اور زبانیں بند کر دی گئیں اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کیلئے کھولو ورنہ چپ رہو اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زور دار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے انکو بد ترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے" (خلافت و ملوکیت ص ۱۶۳ و ص ۱۶۴)

(الف) عبارت مندرجہ بالا کے ابتدائی خط کشیدہ پر غور فرمایا جائے تو اندازہ ہو جائیگا کہ موصوف نے اس جگہ ایک ہی جملہ میں دو متضاد باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ موصوف ایک طرف تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آزادی سلب کیئے جانے کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف اسے اسلام کا فرض بھی تسلیم فرما رہے ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اگر موصوف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فرض ہی مانتے ہیں بلکہ واقعتاً اسے فرض ماننا بھی چاہیئے تو کسی فرض کی بندش پر آزادی سلب کرنے کی تعبیر غلط ہے (آزادی تو مباح امور میں ہوتی ہے فرائض کیلئے آزادی کا اطلاق ہر مجتہد کر بھی نہیں سکتا) اسلئے موصوف سیدھے سیدھے بات یوں کہنی تھی کہ "اس دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط کر دیا گیا تھا" (اس تعبیر میں حضرت معاویہؓ کے دور ظلم و تاریکی کی صحیح تصویر کشی ہو سکتی تھی)

(ب) اب ذرا عبارت بالا کے آخری خط کشیدہ فقروں پر بھی ایک بار غور فرما لیا جائے کہ موصوف ان فقروں کے ذریعہ جس دور کی تصویر کشی فرما رہے ہیں علامہ کی اس تحریر سے

آخر اس دور کا کیسا نقشہ سامنے آتا ہے؟ یہی نقشہ تو سامنے آتا ہے کہ اس وقت جبکہ حضرات صحابۂ کرام کی ایک خاصی تعداد زندہ و سلامت موجود تھی مگر سب کے سب نعوذ باللہ منہ "بے ضمیری" و حق پوشی کے مریض و مجرم ہو چکے تھے بس لے دے کے صرف ایک حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تھے جو موصوف کے نزدیک باضمیر اور حق گو تھے جنھیں صرف اپنی حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان تک سے ہاتھ دھونا پڑ گیا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا یہ سب حضرات "بے ضمیر" اور "حق پوش" تھے زرا انھیں پہچاننے کی تو کوشش کیجئے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ہم ان حضرات صحابہؓ کا مختصراً ذکر و تعارف پیش کر دیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دور ملوکیت میں (جبکہ ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے تھے) زندہ و سلامت موجود تھے۔

تاریخ کے صفحات نے جن حضرات صحابہؓ کے حالات محفوظ رکھکر ہم تک پہنچائے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرات مجموعی طور پر تقریباً ڈھائی سو یا اس سے کچھ زیادہ تعداد ہی میں موجود تھے۔ اتنی طویل فہرست کا تفصیلی ذکر موجب طوالت ہوگا اس لئے ہم ان میں سے صرف مشاہیر صحابۂ کرام ہی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ کے دور ملوکیت کے مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرات عشرۂ مبشرہ میں سے دو حضرات موجود تھے (۱) حضرت سعد بن ابی وقاص (۲) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم (ب) حضرات اصحاب بدر میں سے (۳) حضرت ابو ایوب انصاری (۴) حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ انصاری (۵) حضرت جابر

بن عتیک (۶) حضرت سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ چودہ حضرات اور بھی اصحاب بدر میں سے موجود تھے، گویا اصحاب بدر میں سے کل اٹھارہ حضرات موجود تھے (ج) اصحاب بیعت رضوان میں سے چودہ حضرات موجود تھے چند کے نام یہ ہیں (۷) حضرت ابو ثعلبہ بن جرہم (۸) حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۹) حضرت عبداللہ بن یزید انصاری (۱۰) ابو عبداللہ حضرت علقمہ بن خالد (۱۱) حضرت فضالہ بن عبید انصاری (۱۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم۔

اس طرح مخصوص طبقات صحابہ میں سے کل چونتیس ۳۴ حضرات موجود تھے ان کے علاوہ حضرات صحابہ کے عام طبقہ تقریباً سوا دو سو ۲۲۵ حضرات اسوقت زندہ و سلامت موجود تھے (ان حضرات کی پوری فہرست محمود عباسی صاحب کی کتاب "تحقیق مزید" میں دیکھی جاسکتی ہے)

اب یہ فیصلہ ناظرین فرمائیں کہ
علامہ کا یہ ارشاد کہ

"دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں، اب قاعدہ یہ ہوگیا کہ منھ کھولو تو تعریف کیلئے کھولو ورنہ چپ رہو اور اگر تمھارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید و قتل اور کوڑوں کی سزا کے لئے تیار ہو جاؤ"

(خلافت و ملوکیت ص ۱۶۳)

اس دور کی تصویر کشی کیلئے کہاں تک صحیح و درست ہوسکتا ہے، جس میں صحابہ کرام کی خاصی بڑی تعداد زندہ و سلامت موجود رہی ہو جن میں عشرہ مبشرہ رض میں سے دو حضرات، اصحاب بدر میں سے اٹھارہ حضرات، اصحاب شجرہ (بیعت رضوان) میں سے چودہ حضرات

اور عام طبقۂ صحابہ میں سے (جن میں بہت سے خواص بھی موجود تھے) دو سو سے زیادہ حضرات باقی رہے ہوں، ـــــ کیا یہ بات کسی طرح بھی قرین عقل وفہم اور قابل تسلیم ویقین ہوسکتی ہے کہ یہ تمام کے تمام حضرات دینی مداہنت کے مجرم اور حق گوئی کے تارک ہوتے ہوئے صرف خاموش تماشائی ہی بنے رہے ہونگے؟

تنقید صحابہؓ کی چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں

علامہ مودودی کی اس تیسری بیماری پر گذشتہ صفحات میں کافی تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے اب اس بحث کو ہم علامہ کی تفسیر تفہیم القرآن کے بعض اقتباسات نقل کرکے ختم کرتے ہیں جن میں موصوف نے قرآن فہمی کی ایک نئی راہ نکالی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید جن حضرات صحابہ کے توسط سے ہمیں ملا ہے اور جو قرآن فہمی میں ہمارے اولین اساتذہ ہیں انھیں کی دیانت اور خداترسی کو مجروح فرمادیں۔ موصوف فرماتے ہیں

حضرات صحابہؓ پر بےصبری اور خداناترسی کا الزام

(۱) چونکہ احد کے میدان میں مسلمانوں کی شکست کا سبب ہی یہ ہوا کہ ان کے اندر صبر کی بھی کمی تھی اور ان کے افراد سے بعض ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں، جو خداترسی کے خلاف تھیں"۔

(تفہیم القرآن ص ۲۸۴/۱)

(۲) "احد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے"۔ (تفہیم ص ۲۸۶/۱)

(۳) "سودخواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اسکے اندر سودخواری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص وطمع، بخل اور خودغرضی۔ اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ

اور بغض وحسد ۔۔۔ احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا" (تفہیم ص ۲۰۰ ج ۱)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آنحضرت ﷺ کے مشن سے بیخبر تھے

تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں :۔

" فرمان مبارک کا منشا یہ ہے کہ تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے (اور سمجھتے بھی کیسے وہ حضرات علامہ کی طرح "سمجھ ناک بھی تو نہ تھے) نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے بلکہ اسکے نصب العین سے جو چیز براہ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے" (تفہیم القرآن ص ۱۶۰ ج ۲)

اقتباس بالا کا ابتدائی خط کشیدہ قابل غور ہے کہ علامہ کس صفائی اور دیری کے ساتھ منشائے خداوندی تک اپنی رسائی کا اظہار فرما گئے ہیں اور جو بات اللہ تعالیٰ صاف صاف نہ فرما سکے تھے علامہ نے ہمت و جسارت کے ساتھ وہ بات صاف صاف لکھدی۔ تفہیم القرآن میں کمال و خوبی کے یہی وہ پہلو ہیں جن سے علمائے حق کی تفسیریں خالی ہیں۔

چوتھی بیماری

"خارجیت جدیدہ"

(حضرات مجددین و مصلحین پر تنقید)

علامہ کی اس بیماری کے جراثیم بڑی مقدار میں انکی کتاب "تجدید و احیائے دین" اور "خلافت و ملوکیت" میں پائے جاتے ہیں۔ "خلافت و ملوکیت" کے چند اقتباسات صفحات گذشتہ میں پیش کئے جا چکے ہیں، اس جگہ موصوف کی قدیم اہم اور بنیادی کتاب "تجدید واحیائے دین" کے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائے جائیں:۔

چودہ سو سالہ دور اسلام میں صرف دو لیڈر کامل ہوئے ہیں

علامہ مودودی کے نزدیک خلفائے راشدین میں سے چاروں حضرات کامل لیڈر نہ تھے بلکہ ان میں سے صرف دو ہی حضرات کامل تھے تجدید واحیائے دین میں فرماتے ہیں:۔

"خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا کام ۲۳ سال کچھ مدت میں پایہ تکمیل کو پہونچا دیا آپؐ کے بعد ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما دو ایسے کامل لیڈر، اسلام کو میسر آئے جنھوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپؐ کے کام کو جاری رکھا پھر

زمامِ قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتداءً چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جمارہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا" (تجدید و احیائے دین ص۳۶)

قدیم خارجی تو ایسے گمراہ تھے جو حضرات خلفائے اربعہ میں سے تین حضرات کے معتقد تھے اور صرف خلیفہ چہارم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف زبان طعن دراز کرتے تھے مگر چودھویں صدی کے یہ لیڈر کامل علامہ مودودی جس جدید خارجیت کے جنم داتا ہیں اسکے مطابق خلیفہ سوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ بھی موردِ طعن ہیں چنانچہ موصوف ان کے حق میں یوں فرماتے ہیں :۔

"حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں اسلئے انکے زمانۂ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی میں گھس آنے کا موقع مل گیا، حضرت عثمان نے اپنا سر دیکر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا" (ص۳۶)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اقتباس بالا کے خط کشیدہ فقروں سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف شاید سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سراسر مظلوم و بے قصور ہی تصور فرماتے ہوں گے اور اسلامی نظامِ اجتماعی میں جاہلیت غیر اختیاری طور پر گھس آئی ہوگی مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بات علامہ کی خاص فنکاری ہی کا نتیجہ ہے ورنہ موصوف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح مظلوم و بے قصور نہیں مانتے جیسا کہ "خلافت و ملوکیت" کے حوالہ سے ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

اسلام کی مدت صرف تیس سال

علامہ مودودی کے مندرجہ بالا ارشاد

سے یہ بات تو صاف ہو چکی کہ انکے نزدیک خلیفۂ سوم و چہارم بھی نعوذ باللہ منہ ناقص تھے ـــــــ مگر وہ اسکے باوجود ان کے دور کو اسلامی دور بھی مان رہے ہیں۔ دورِ جاہلیت کی باقاعدہ ابتدا وہ خلافت راشدہ کے بعد ہی سے قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:۔

"آخر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دورہ ختم ہو گیا ملک عضوض نے اسکی جگہ لے لی اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اس (جاہلیت) کے ہاتھ میں تھی ـــــــ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی، اکیلے دہریے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا مگر وہاں تو آگے آگے توحید و رسالت کا اقرار، صوم و صلوٰۃ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اسکے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی" (تجدید و احیائے دین ص ۳۷)

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ علامہ موصوف نے مندرجہ بالا عبارت میں جو نقشۂ اسلام پیش فرمایا ہے وہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف تیس سال بعد کا ہے جبکہ حضرات صحابۂ کرام کی ایک خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ اسوقت کے لئے علامہ کی رپورٹ یہ ہے کہ "جاہلیت نے اسلام کا نقاب اوڑھ کر اقتدار کی کنجیاں اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں اور حکومت کی اساس اسلام کے بجائے جاہلیت پر قائم ہو گئی تھی" اور اس صورتِ حال کا نتیجہ کیا ہوا یہ بھی خود علامہ ہی کی

زبانی سنیئے فرماتے ہیں :۔

"جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر مسلمان کا جلوہ افروز ہونا (براہ کرم یہ نہ بھولئے گا کہ علامہ کے اس قصیدے کا روئے سخن کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہے جو خلافت راشدہ کی تیس سال کی مدت کے بعد ہی مسند آرائے حکومت ہوئے تھے) (آگے فرماتے ہیں) "جاہلی تعلیم" کے مدرسہ میں مسلمان کا معلم ہونا، جاہلیت کے سجادہ پر مسلمان کا مرشد ہو کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

(اور یہ بچنے والے شاید وہی ہو سکتے ہیں جنھوں نے علامہ کی "اسلامی درسگاہ" میں تعلیم پائی ہوگی اور "ماڈرن اسلامی مرشد" سیدی مرشدی مودودی" کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا ہو)

علامہ کا مطالعہ تاریخ اور مجددین امت کی تنقید

علامہ موصوف نے اپنی اسی کتاب "تجدید و احیائے دین" میں اپنے تاریخی مطالعہ کے نتیجہ میں ملتِ اسلامیہ کے مجددین پر جو تنقیدی نگاہ ڈالی ہے وہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں :۔

(الف) حضرت عمر بن عبدالعزیز سے متعلق

"تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی کامل مجدد پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا

چند شعبوں ہی میں کام کیا ــــــ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ "ایسا لیڈر" پیدا ہو" (ص ۴۲)

(ب) حضرات ائمہ اربعہ اور علامہ کی ہوشیاری

ائمہ اربعہ کا ذکر بھی علامہ نے حضرات مجددین کے زمرہ میں فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے تذکرہ کے بعد ہی متصلاً جو ذیلی سرخی قائم کی ہے وہ "ائمہ اربعہ" ہے اسکے تحت فرماتے ہیں:۔

"عمر ثانی (عمر ابن عبد العزیز) کی وفات کے بعد اگرچہ سیاسی اقتدار کی کنجیاں پھر اسلام سے جاہلیت کی طرف منتقل ہوگئیں اور سیاسی پہلو میں اس پورے کام پر پانی پھر گیا جو انھوں نے انجام دیا تھا" (ص ۶۱)

اس موقع پر علامہ نے یہ ہوشیاری بھی ملحوظ رکھی ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ کے دینی و علمی کارناموں پر تو ضرور روشنی ڈالی ہے لیکن موصوف کے بے لاگ تبصرہ والی رگ یہاں بالکل نہیں پھڑکی اور وہ اس پہلو سے صاف گریز فرما گئے کہ ان حضرات ائمہ نے سیاسی اقتدار کی کنجیاں جاہلیت سے واپس لیکر اسلام کے ہاتھوں میں دینے کیلئے کوئی جد و جہد بھی کی تھی یا نہیں؟ ــــــ علامہ کی خاموشی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کا دائرہ کار صرف دینی و علمی اور فقہی و اصولی مسائل کی تدوین و ترتیب ہی تک محدود رہا اور انھوں نے اپنے آپ کو سیاسی مسائل سے بالکل الگ تھلگ رکھتے ہوئے یہ سارے کارنامے انجام دیئے جنھوں نے مودودی صاحب کی نظر میں انکا مرتبہ مجتہدین سے بلند کر کے مجددین تک پہنچا دیا ہے

(ج) امام غزالیؒ سے متعلق

فرماتے ہیں:۔

"عمر بن عبد العزیز کے بعد سیاست و حکومت

کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں (اسکے بعد تفصیل سے وہ پس منظر پیش فرمایا ہے جس میں امام غزالی کو کام کا موقع ملا تھا' ان کے تجدیدی کارناموں پر بحث فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں)

"ابن خلدون کے بیان سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے قیام کے خواہاں تھے جو خالص اسلامی اصول پر ہو خواہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو چنانچہ مغرب اقصیٰ میں موحدین کی سلطنت انھیں کے اشارے سے ان کے ایک شاگرد نے قائم کی مگر امام موصوف کے کارنامے میں یہ سیاسی رنگ محض ضمنی ہدایت رکھتا تھا۔ سیاسی انقلاب کے لئے انھوں نے کوئی باقاعدہ تحریک نہیں اٹھائی نہ حکومت کے نظام پر کوئی خفیف سے خفیف اثر ڈال سکے" (آگے فرماتے ہیں)

"امام غزالیؒ کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کیوجہ سے انکے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کیوجہ سے تھے اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کیطرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے" (ص ۴۳)

(د) علامہ ابن تیمیہؒ سے متعلق (ان کے متعدد علمی و اصلاحی تجدیدی کارناموں پر بحث و تبصرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

"اس تجدیدی کام کے ساتھ انھوں نے تاتاری وحشت وبربریت کے مقابلہ میں تلوار سے بھی جہاد کیا اس وقت مصر وشام اس سیلاب سے بچے ہوئے تھے امام نے وہاں کے عام مسلمانوں اور رئیسوں میں غیرت وحمیت کی آگ پھونکی اور انھیں مقابلہ پر آمادہ کیا ـــــــ ابن تیمیہ نے ان میں جہاد کا جوش پھونک کر شجاعت کی سوئی ہوئی روح کو بیدار کر دیا، تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ کوئی ایسی سیاسی تحریک نہ اٹھا سکے جس سے نظام حکومت میں انقلاب برپا پیدا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آجاتیں" (ص ۸۰)

(۵) حضرت مجدد الف ثانیؒ سے متعلق

"پہلی چیز جو مجھکو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ (ولی اللہ) صاحب اور انکے خلفاء کے تجدیدی کام میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ انھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور نادانستہ انکو پھر وہی غذا دیدی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی" (ص ۱۱۹)

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے متعلق

فرماتے ہیں:- "شاہ صاحبؒ تاریخ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر ونظر کی ایک صاف سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حالاتِ موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی اور تعمیر نو کا نقشہ پیدا کرتے چلے جاتے ہیں جسکی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد وتعمیر صالح کے لئے ایک تحریک اٹھتی ہے، شاذ ونادر ہی ایسا ہوتا ہے

کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی تحریک اٹھاتے اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لئے نکل آتے ہوں تاریخ میں اسکی مثالیں بہت کم ملتی ہیں" (مگر لطف یہ ہے کہ علامہ اپنے اس اقرار کے باوجود ایسے لوگوں کی ایک مثال بھی نہ پیش کر سکے ہر مجدد میں عیب و نقص اور فی نکالکر آگے بڑھتے گئے ہیں، پھر یہ خالی خولی بہلاوا کس لئے ہے ؟) چند سطروں بعد فرماتے ہیں) ـــــ "یہ کام بجائے خود اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اسکی مشغولیتوں سے آدمی کو اتنی فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے کہ خود میدان میں آکر تعمیر کا کوئی عملی کام بھی کر سکے۔ اگرچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کرتے ہیں کہ اگر موقع و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا" مگر واقعہ یہی ہے کہ انھوں نے اس طرز کا کوئی کام نہیں کیا" (ص ۹۱)

تبصرہ: "تجدید و احیائے دین" میں علامہ کے سارے جائزے اور تجزیے دیکھ جائیے سب کے کاموں میں آپکو اس بنیادی نقص و خامی کی نشاندھی ضرور ملیگی کہ ان حضرات نے "سیاسی انقلاب کے لئے کوئی باقاعدہ تحریک نہیں اٹھائی نہ حکومت کے نظام پہ کوئی خفیف سے خفیف اثر ڈال سکے" اور اس بنیادی نقص و خامی کے باوجود علامہ انھیں مصلح امت و مجدد بھی تسلیم تو کر ہی رہے ہیں ایسی صورت میں علامہ کو اکابر دیوبند شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم کے تجدیدی کارنامے اور انکی مساعی جہاد کیوں نظر نہ آسکیں، حکیم الامۃ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی تجدیدی کوششیں جو تصوف و سلوک میں انھوں نے انجام دیں ان سے

چشم پوشی کے لئے علامہ کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟

اس موقع پر ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر علامہ کے نزدیک مجدد کیلئے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد کرنا ضروری ہی ہوتا ہے تو آخر انھوں نے اس سخت شرط کے معاملہ میں حضرات ائمہ اربعہ پر تنقید فرماتے ہوئے کیوں نرمی برتی۔ علامہ نے حضرات ائمہ اربعہ کے معاملہ میں یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سلسلے میں انکے علمی و تحقیقی مشاغل کے پیش نظر جس طرح انھیں معاف فرما دیا اور سیاسی انقلاب کی عملی جدوجہد ان کے لئے لازمی نہ رکھی یہ عذر انھیں دوسرے علمائے حق کے سلسلے میں کیوں نظر نہ آسکا؟

(س) فقہائے امت صاحب کنز و ہدایہ اور فتاوی عالمگیری کے متعلق

علامہ اپنی ایک دوسری مشہور کتاب "حقوق الزوجین" میں فرماتے ہیں:۔

"قیامت کے روز حق تعالی کے سامنے ان گنہ گاروں کے ساتھ ساتھ انکے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تمکو علم و عقل سے اسلئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو؟ کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سنت تمھارے پاس اسلئے تھی کہ تم اسکو لئے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں ہم نے اپنے دین کو "یُسر" بنایا تھا تمکو کیا حق تھا کہ اسے "عُسر" بنا دو (یہ بات علامہ نے جس موقع پر اور جس انداز سے کہی ہے اس سے اباحیت کے تصور کو یقیناً شہ مل سکتی ہے اس سے یہی تاثر لیا جائے گا کہ دین کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی اور سمجھ کے مطابق دینی احکام متعین کر کے

ان پر عمل کرے)۔

(چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں) —— "ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں رکھا تھا، تم سے کس نے کہا تھا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو —— اس بازپرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق، ہدایہ، اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔ البتہ جہلار کو جواب دہی کرنے کا یہ موقعہ ضرور مل جائے گا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَاءَنَا فَاَضَلُّونَا السَّبِیْلَا (حقوق الزوجین ص۹۶)۔ (پوری آیت کا ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی اور انھوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کردیا اے رب ان کو دُوہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر)

علامہ کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف کے قلب مبارک میں فقہائے امت مثلاً صاحب کنز و صاحب ہدایہ اور صاحب عالمگیری جیسے حضرات کی طرف سے کیسا کچھ بغض و نفرت کا جذبہ بھرا ہوا تھا کہ موصوف ان حضرات فقہار پر قرآن مجید کی وہ آیات چسپاں کرنے میں بھی تامل نہیں فرماتے جو صریح طور پر کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علامہ موصوف جو منصب اجتہاد کی عظمت و رفعت سے بھی شاید صحیح طور پر آشنا نہ تھے وہ حضرات ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کو کافروں کے سرداروں میں ہی شامل کئے دیتے ہیں۔

انصاف شرط ہے علامہ کے معتقدین و محبین غور فرمالیں کہ کیا اکابر امت کو اس طرح کافروں کے سرداروں کے ساتھ ہانکا جاسکتا ہے؟ اور کیا

وہ بھی کل کو قیامت میں علامہ کے حق میں اس آیت کے مطابق عذر و جوابدہی کرنے کی گنجائش اپنے ذہنوں میں رکھتے ہیں؟

دوسروں کو سزائے آخرت یاد دلانے والے خود کس عالم غفلت میں ہیں

علامہ موصوف جو "حقوق الزوجین" کی اس عبارت میں صاحب کنز اور صاحب ہدایہ وغیرہ کے مقام و مرتبہ سے آنکھیں بند کئے ہوئے زور صحافت میں یوں بہتے چلے گئے اور انھیں آخرت کی اس بازپرس و سزا کا خیال تک نہ آیا جس کے لئے وہ دوسروں کو یوں دھمکی دے چکے ہیں، ملاحظہ ہو فرماتے ہیں

"میں نے انکو ایک ایسی خطرناک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس سے وہ کسی طرح رہائی حاصل نہ کر سکیں گے اور وہ سزا یہ ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر قسم کے دعوؤں سے اپنا دامن بچائے ہوئے اپنے خدا کی خدمت میں حاضر ہونگا پھر دیکھوں گا کہ یہ حضرات خدا کے سامنے ——— کیا صفائی پیش کرتے ہیں"

(رسائل و مسائل ج ۲ ص ۶۶)

۶۷۔ اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت ۔ کیا تعجب کہ ان فقہائے امت کی روحیں علامہ کی اس دلاوری پر خندہ زن ہو کر کہتی ہوں فَانْتَظِرُوا اِنِّی مَعَکُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۔

پانچویں بیماری

(استخفافِ سننِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ)

علامہ مودودی کی تحریروں میں سنّتوں کے استخفاف اور استہزاء کے جراثیم بھی بڑی ہوشیاری سے چھپا دیئے گئے ہیں جن پر تفصیلی بحث تو اپنے دوسرے رسالہ "تین خطرے" میں کر چکا ہوں ملاحظہ فرما سکتے ہیں بطور نمونہ چند اقتباسات یہاں بھی پیش کئے جاتے ہیں :۔

(الف) "اتباع رسول و اصحاب کا یہ مفہوم سرے سے غلط ہے اور اکثر دیندار لوگ غلطی سے اسکا یہی مفہوم لیتے ہیں اُنکے نزدیک سلف صالحین کی پیروی اسکا نام ہے کہ جیسا لباس وہ پہنتے تھے ایسا ہی ہم بھی پہنیں۔ جس قسم کے کھانے وہ کھاتے تھے اسی قسم کے کھانے ہم بھی کھائیں —— تمدن و حضارت کی جو حالت انکے عہد میں تھی اسکو ہم بالکل منجمد صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں ان سب سے آنکھیں بند کر کے ہم اپنے دماغ اپنی زندگی کے ارد گرد ایک حصار کھینچ لیں جسکی سرحد میں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو

اتباع کا یہ تصور جو انحطاط کی صدیوں سے دیندار مسلمانوں

دماغوں پر مسلط رہا ہے درحقیقت روح اسلام کے بالکل منافی ہے
اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے "آثار قدیمہ" بنکر
رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں
(تنقیحات ص ۳۰ شیش محل سے)

اتباع سلف کا جو مضحکہ خیز تصور یہاں علامہ نے پیش فرمایا ہے اور اسکی جو قہقہہ انگیز تصویر کشی فرمائی ہے اور پھر لطف یہ کہ اسکی نشان دہی بھی موصوف گذشتہ کئی صدیوں پیشتر سے ہی فرما رہے ہیں تو سوال ہوتا ہے کہ علامہ کے پاس یہ انکا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے یا اسکا کوئی ثبوت بھی ہے؟ علامہ یا ان کے محبین میں سے کوئی صاحب بتا سکتے ہیں کہ آخر کس مفتی نے زندگی کو تاریخی ڈرامہ بنائے رکھنے کا فتویٰ دیا ہے؟

علامہ کی اس مضحکہ خیزی کا مذاق اڑانے کے لئے اگرچہ ہمیں کسی علمی و تحقیقی جواب دہی کی مطلق ضرورت نہیں ہے پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ لوگ علامہ کے اس بظاہر معقول مغالطے کی غیر معقولیت سے باخبر ہو جائیں اسلئے ہم ناظرین کی توجہ اسطرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ :۔

جملہ مسلمانان عالم کے ایمانی و روحانی مراکز، بیت اللہ شریف، مسجد حرام مسجد نبوی اور روضۂ اطہر کی تعمیرات و تزئینات نے عہد بعہد تمدن و حضارت کے اثرات قبول کئے ہیں یا نہیں؟ اور علمائے وقت نے کیا ان تغیرات و تبدلات، تعمیرات و تزئینات کو کبھی قابل اعتراض قرار دیا ہے؟

اور آگے بڑھکر دیکھئے کہ دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ ہدایت جے پور اور نجانے کتنے عربی مدارس ہیں جنکی جدید ترین عمارات، اسباب راحت و آسائش، پھر ان اداروں سے وابستہ

حضرات علماء کی زندگی و معاشرت میں موجودہ دور کے جائز تنعمات نے آخر جگہ پائی ہے کہ نہیں؟

ایسی صورت میں علامہ کی "آثار قدیمہ" اور "تاریخی ڈرامہ" کی پھبتی خود آنموصوف ہی کی طرف تو لوٹے گی؟

علامہ کی ایک اندرونی بیماری

علامہ کی تحریروں میں اس قسم کی عبارات کو دیکھکر صاف پتہ چلتا ہے کہ موصوف کے پیش نظر ایک "خاص طبقہ" کی خوشنودی و دلجوئی ہے۔ موصوف نے سارا زور قلم اور اپنا سارا ریاض اسی طبقہ پر مرکوز کر دیا ہے، اسی کی خوشنودی اور دلجوئی کے لئے موصوف کو یہ بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں "دین" اور "اہل دین" کا مذاق بھی اڑایا کریں تاکہ وہ طبقہ اہل دین سے متنفر اور متوحش ہی رہے اور موصوف کو اپنا واقعی اور سچا ہمدرد سمجھتے ہوئے صرف انھیں کا نام لیوا اور انھیں پر جان دیوا بن جائے۔

موصوف نے اس سلسلہ میں اپنے ریاض کو اتنی ترقی دی ہے کہ وہ اس طبقہ کی تطییب قلب اور دلجوئی کے لئے "حکمت عملی" کے نام پر دینی احکام بدل دینے میں بھی تامل نہیں فرماتے جسکا اندازہ موصوف کی ان تحریرات سے بخوبی ہو جاتا ہے جو موصوف نے متعہ، سنیما اور بچے گانے وغیرہ کے جواز کا فتویٰ صادر فرماتے ہوئے سپرد قلم فرمائی ہیں یا کسی کو انٹرویو دیتے ہوئے ظاہر فرمائی ہیں (ملاحظہ ہو احقر کا رسالہ "اسلامی حکومت کی کہانی")

(ب) "رسائل و مسائل" میں فرماتے ہیں:۔

"میں اسوہ اور سنت و بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی داڑھی

رکھتے تھے اتنی ہی بڑی داڑھی رکھنا سنت رسول یا اسوۂ رسول ہے
یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسول کو وہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور
قائم کرنے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام مبعوث کئے جاتے
رہے ہیں، مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف
نہیں بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا
اور پھر انکے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک
خطرناک تحریف دین ہے۔ جسکے برے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے
ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے" (رسائل و مسائل ص ۲۲۹ ج ۱)

موضوع بحث میں خلط

اقتباس بالا میں علامہ نے ایک نہایت ہی عجیب و غریب خلط مبحث فرمایا ہے جسے موصوف کی صحافتی چابکدستی ہی کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ موضوع بحث تو ہے اسوۂ رسول اور سنت رسول لیکن بغیر کسی خاص ضرورت کے موصوف دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سنت کو بھی اپنی تحریر میں شامل کر دیتے ہیں۔ شاید مقصد یہی ہوتا ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی طرح سے داڑھی کا اسوۂ نبوی اور سنت محمدی ہونا ثابت بھی کر دے تو موصوف اپنے گریز کے لیے یہ چور دروازہ بھی اپنے کلام میں موجود رکھنا چاہتے ہیں کہ اس سے یہ سوال کر کے اپنا پیچھا چھڑا لیں کہ کیا یہ داڑھی دوسرے حضرات انبیاء کی بھی ایسی ہی سنت ہے جس کے لئے انکی بعثت ہوئی ہو؟ آخر اسکا کیا ثبوت ہے؟

داڑھی کی مقدار مسنون سے متعلق علامہ کی ساری نگارشات "رسائل و مسائل" میں پڑھ جائیے مگر کسی طرح یہ بات صاف نہیں ہو پاتی کہ علامہ کے نزدیک سنت و اسوہ سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ عادت و سنت میں کیا فرق ہے؟
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال مسنونہ کیا ہیں اور امور عادیہ کیا ہیں؟ "خصائل فطرت"

سے شریعت کا مدعا کیا ہے؟ سنن مرسلین کیا چیزیں ہیں؟ اور انکا شرعی درجہ کیا ہے؟ داڑھی رکھنا اور بمقدار قبضہ رکھنا از قبیل سنت و اسوہ ہے یا از قبیل عادت ہے؟

ان سوالات کے واضح جوابات علامہ کی تحریروں میں بالکل نہیں ملتے لیکن ان کے محبین کو اصرار ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں سیر حاصل اور اطمینان بخش کلام فرما جاتے ہیں۔

راقم السطور ان بزرگوں کا ممنون ہو گا جو علامہ کی تحریر سے مندرجہ بالا سوالات کے واضح جوابات مرحمت فرمانے کی زحمت گوارا فرمالیں گے —— ہاں بار بار کی مکرر عبارتوں میں مختلف سنتوں کا استہزاء اور استخفاف ضرور موصوف کے ہاں وافر مقدار میں موجود ہے —— آئندہ عبارت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:۔

(ج) "سب سے پہلے ٹھنڈے دل سے اس سوال پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول دنیا میں کس غرض کے لئے بھیجے ہیں؟ دنیا میں آخر کس چیز کی کمی تھی؟ کیا خرابی پائی جاتی تھی جسے رفع کرنے کے لیے انبیاء کے مبعوث کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ کیا وہ یہی تھی کہ لوگ داڑھیاں نہ رکھتے تھے اور انھیں رکھوانے کیلئے رسول بھیجے گئے؟ یا یہ لوگ ٹخنے ڈھانکے رہتے تھے اور انبیاء کے ذریعہ انھیں کھلوانا مقصود تھا؟ (اسلامی نظام زندگی ص ۳۰۱)

علامہ نے اس موقع پر بھی وہی چابکدستی دکھلائی ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اکتفا نہ فرماتے ہوئے دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی شامل کر لیا ورنہ جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے موصوف

اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ کسی امر طبعی وعادی کے ترک پر دوزخ کی وعید نہیں وارد ہوا کرتی ہے درآں حالیکہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا تہمد پہننے پر دوزخ کی وعید بھی آئی ہوئی ہے۔ بخاری شریف کی صحیح روایت میں ہے ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (ٹخنہ کا جتنا حصہ ازار (پاجامہ و تہمد) سے بند (ڈھکا) رہے گا وہ دوزخ میں جائے گا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض تفریحاً نہیں ہے (جس کے لئے علامہ نے کسی موقع پر اپنے ناصح کو یہ جواب دیکر خاموش کر دیا تھا کہ میرا اسلام پاجامہ میں نہیں ہے۔ استغفراللہ) اسلئے ماننا پڑیگا کہ ٹخنوں سے اونچا پاجامہ یا تہمد پہننا یقیناً آپؐ کی ایسی سنت ہے جسکی ترویج اللہ تعالیٰ کو آپؐ کے ذریعہ منظور تھی۔

سوال ہوتا ہے کہ آخر علامہ نے سنتوں کی یہ تقسیم کہاں سے نکالی کہ کچھ سنتیں تو وہ ہیں جن کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا گیا تھا اور کچھ سنتیں ایسی ہیں جو آپ کی غرض بعثت سے متعلق نہیں ہیں پھر یہ کہ داڑھی کی سنیت اور اسکی متعارف مقدار (قبضہ) یا ٹخنوں سے اونچا پائینچہ رکھنا دوسری قسم کی سنتوں میں سے ہیں؟ موصوف کو ازراہ انصاف یہ تو سوچنا ہی تھا کہ جب وہ خود اپنے آپ کو اس منصب پر فائز کئے ہوئے ہیں کہ حضرات مجتہدین و فقہائے متقدمین و متاخرین میں سے جس کے اجتہاد کو چاہیں ہدف تنقید بنا سکتے ہیں تو آخر دوسرے اہل علم بھی تو یہ حق رکھتے ہونگے کہ وہ موصوف کے علم و فہم اور انکے اجتہاد و تفقہ سے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر کے ان پر معترض ہوں۔

استہزار و استخفاف سنت کے کچھ نمونے اور ملاحظہ ہوں:۔

(د) "اگر کسی کی حقیقی جاں نثاری و وفاداری اللہ کی راہ میں طویل ہو تو کوئی بڑا نقصان نہو جائے گا اگر اسکی داڑھی قصیر ہو۔ لیکن اگر

جاں نثاری و وفاداری "قصیر" ہے تو یاد رکھئے داڑھی کا "طول" کچھ بھی فائدہ نہ دیگا بلکہ بعید نہیں کہ خدا کے یہاں اس فریب کاری اور مکاری کا مقدمہ چل جائے"

(رسائل و مسائل ص ۱۳۹)

(۹) "کیا معاذاللہ خدا کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ اپنے وفاداروں کو پہچاننے کی اتنی بھی تمیز نہیں رکھتا جتنی دنیا کے ان کم عقل انسانوں میں پائی جاتی ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بس داڑھیوں کا طول، ٹخنوں اور پائینچوں کا فاصلہ، تسبیحوں کی گردش اور وظائف و نوافل اور مراقبے کے مشاغل اور ایسی ہی چند اور چیزیں دیکھکر ہی دھوکا کھا جائے گا کہ آپ اسکے سچے وفادار ہیں"

(اسلامی نظام زندگی ص ۳۰۴)

(۱۰) "آپ اسکی فکر نہ کیجئے کہ ہماری جماعت کے ارکان کے متعلق لوگ کیا رائے قائم کریں گے اور ان کے ظاہر سے کیا اثر لیں گے، آپ کو اور ہمارے تمام رفقاء کو اپنے باطن کی فکر اپنے ظاہر سے بڑھکر ہونی چاہیئے، اور اسی طرح اپنے ان اعمال کی زیادہ فکر کرنی چاہیئے جن پر خدا کی میزان میں آدمی کے ہلکے یا بھاری ہونے کا مدار ہے کیونکہ اگر ایسے اعمال ہلکے رہ گئے تو بال برابر وزن رکھنے والی چیزوں (مثلاً داڑھی) کی کمی بیشی سے میزان الٰہی میں کوئی خاص فرق واقع ہونے کی توقع نہیں ہے"

(رسائل و مسائل ص ۱۳۹/۱)

درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

ناظرین میں سے بہت سے حضرات نے سنا ہوگا کہ بے عمل لیڈران قوم اور اَپ ٹوڈیٹ مرشدانِ ملت اکثر اپنی بے عملی ہی کو اپنا کمال فن ظاہر کرنے کے لئے شیخ سعدی کے ایک قطعہ کو بڑے خاص انداز سے جھوم جھوم کر پڑھ دیا کرتے ہیں، سرخی کا یہ مصرع بھی اسی قطعہ کا آخری مصرع ہے پورا قطعہ یوں ہے ؎

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع　　خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست　　درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

(ترجمہ:۔ تمھیں فقیروں کی کملی، تسبیح وگدڑی کیا کام دیگی تم توبس اپنے آپ کو بُری باتوں سے بچائے رکھو۔ تمھیں فقیروں کی مخصوص ٹوپی پہننے کی ضرورت نہیں ہے تم تو باطنی طور پر درویش صفت بن جاؤ (پھر چاہے ظاہری طور پر) ترکی ٹوپی ہی پہننے رہو)

علامہ مودودی نے اپنے مندرجہ بالا شہ پارۂ عبارت میں اسی قطعہ کے مضمون سے استفادہ فرمایا ہے مگر چونکہ موصوف کو "چنیا بیگم" اور انکے "آشناؤں" سے سخت بیزاری و نفرت ہے اس لئے شیخ سعدی کے قطعہ کا ذکر انکے شایانِ شان نہ ہوا ورنہ انھوں نے یہاں وہی بات فرمائی ہے جو اس قطعہ میں کہی گئی ہے کہ "درویش صفت باش وکلاہ تتری دار" داڑھی کی فکر نہ کرو دل کی فکر کرو۔

ایک بنیادی سوال

تحریک مودودیت کے ابرار و عمار اکثر اپنی تحریک کو اصل دعوتِ اسلام کا مثنیٰ اور اسکی مصدقہ نقل قرار دینے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں یہ حضرات کیا یہ بھی ارشاد فرما سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصل دعوت میں بھی ظاہر و باطن کے درمیان

ایسی تفریق فرمائی ہو جیسی علامہ موصوف اپنے متبعین کے لئے تجویز فرما رہے ہیں؟
لیکن چونکہ موصوف اسلام کا ایک نیا تصور پیش کرنا چاہتے تھے جس کے لئے انھیں
کچھ متبعین و پیروکار اور فدائین و جاں نثار بھی درکار تھے اسلئے انھوں نے ضروری
سمجھا کہ وہ اپنے تصور اسلام کو اس طرح پیش کریں جو ان کے ان فدائیوں کے لئے
موجب کشش ہو۔ اس مقصد کے لئے موصوف نے بنیادی طور پر دو قاعدے وضع
فرما ڈالے، ایک تو احکام میں تبدیلی کے لئے حکمت عملی (جس پر مولانا عتیق الرحمان سنبھلی
اور مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ نے کسی زمانے میں خوب بحث کی ہے اور جسکی
اشاعت دوبارہ پھر ہونی چاہیے) اور دوسرا قاعدہ یہی ظاہر و باطن کی تفریق کا۔
دین مودودیت کے سارے مسائل موصوف کے انہی دو قاعدوں پر
مبنی و متفرع ہیں اور اس دوسرے اصول و قاعدہ کی پابندی ہی نے مودودیت
کا شجرۂ نسب اباحیت اور باطنیت سے ملا دینے میں بظاہر بہت معمولی ہی سی
کسر باقی رکھی ہے

کاش یہ حضرات علامہ کے ان دو اصولوں کی خطرناکی اور ان سے
پیدا ہونے والی گمراہیوں کو بھی کچھ محسوس فرما لیتے کہ علامہ نے ان کے ذریعہ اصل دین
کا حلیہ بگاڑ دینے کے لئے کیسا کچھ سامان فراہم فرما دیا ہے۔ اب ان کے "فدائیوں"
کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ ظاہر و باطن کی اس تفریق کے نتیجہ میں دین کے
جس ظاہری عمل کو چاہیں اپنی زندگی میں سے رخصت کر سکتے ہیں۔ موصوف کی
یہ ڈھیل صرف داڑھی کے قصر اور پائینچوں کے طول ہی تک محدود نہ رہے گی
بلکہ ہر شخص کو دائمی طور پر یہ سہولت حاصل رہے گی کہ وہ صرف اصلاح باطن کی
توجہ اور مراقبہ کے ذریعہ شریعت کے کسی بھی حکم کو مودودیت کی قربان گاہ پر بھینٹ
چڑھا سکے گا۔ جبکہ ثواب غیر اختیاری طور پر بانی اصول کی روح پر فتوح کو بھی

پہنچتا رہے گا۔

کیا اب ہمیشہ نماز ہی پڑھتے رہیں گے؟

علامہ کی اسی ذہن سازی کا نتیجہ ہے۔ جو جماعت اسلامی اسلامی کے سابق رکن (جماعت اسلامی سرینگر) جناب مولانا حکیم عبید اللہ خانصاحب نے اپنی آپ بیتی میں ذکر فرمایا ہے۔ موصوف "سیاسی اسلام" میں رقمطراز ہیں:۔

" جماعت اسلامی کے کشمیر کے ایک اعلیٰ درجہ کے ذمہ دار سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا آپ لوگ کس نجاست (الیکشن) میں کودنے کی تیاریاں کر رہے ہیں؟ اسلام کی تبلیغ اور عوام کی روحانی واخلاقی اصلاح کے کام پر بس کیوں نہیں کرتے؟ فرمانے لگے تو کیا اب ہمیشہ نماز ہی پڑھتے رہیں گے؟"
اللہ اکبر! یہ ہے آج کل اس جماعت کے ذمہ داروں کا لب ولہجہ "کیا اب ہمیشہ نماز ہی پڑھتے رہیں گے؟"

(سیاسی اسلام ص۱)

حکیم صاحب موصوف نے اس اقتباس میں جس انحطاط آمیز انقلاب دین کی نشاندھی بلکہ نقاب کشائی فرمائی ہے وہ نہ تو خلاف واقعہ ہے نہ ہی اس میں کچھ مبالغہ ہے۔ علامہ کے لٹریچر میں جو دین پیش کیا گیا ہے اسکا نتیجہ یہی نکلنا بھی تھا۔

چھٹی اور ساتویں بیماری

استہزائے اشغال صوفیا اور استہزائے وضع صلحاء

علامہ کی ان بیماریوں سے پیدا ہونے والے کچھ اثرات صفحات گذشتہ کے اقتباسات میں بھی پیش کئے جا چکے ہیں مگر وہاں انکی حیثیت ضمنی تھی اس جگہ مستقل طور پر ان بیماریوں کی نشاندھی کیلئے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں جو فقرے مکرر ہو جائیں وہ بدرجہ مجبوری ہوں گے۔ ملاحظہ ہو علامہ اپنی کتاب "تجدید و احیائے دین" میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

(الف) "حاشا کہ مجھے فی نفسہ اس تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو ان حضرات نے پیش کیا وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کا اصل تصوف ہے اور اسکی نوعیت احسان سے کچھ مختلف نہیں لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ زبان کا استعمال اور متصوفانہ طریقے سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے" (تجدید ص ۱۳۰)

(ب) "پس جیسے پانی جیسی حلال چیز بھی اسوقت ممنوع ہو جاتی ہے جب وہ مریض کیلئے نقصان دہ ہو اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسکے لباس میں مسلمانوں کو "افیون" کا چسکا لگایا گیا ہے اور اسکے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی "چنیا بیگم" یاد آجاتی ہے جو صدیوں تک ان کو تھپک تھپک کر

سلاتی رہی ہے (ص۱۳۲)

(ج) "یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں (مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب) نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دیدی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا" (ص۱۳۲)

(د) "اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا اسلئے "مرض" "صوفیت" کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی" (ص۱۳۵)

(ھ) "عبادات اور چند خاص مذہبی اعمال اس گناہ زندگی کا کفارہ ہیں بس انہی کو پورے انہماک سے ٹھیک ناپ تول کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہیئے تاکہ آخرت میں نجات حاصل ہو، اسی ذہنیت نے انبیاء کی امتوں میں سے ایک گروہ کو مراقبہ، مکاشفہ، چلہ کشی و ریاضت اور اوراد و وظائف، احزاب و اعمال (یعنی عملیات جن سے بڑھکر بے عملی کی کوئی صورت انسانی ذہن نے آج تک ایجاد نہیں کی) سیر مقامات (یعنی مقامات روحانی) اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں (یعنی وحدۃ الوجود) کے چکر میں ڈال دیا" (ص۲۶)

موصوف نے حضرت مہدی علیہ الرحمہ کے تصور سے بحث فرماتے ہوئے بھی جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں بھی اشغال تصوف اور مشاغل مشایخ پر بھرپور طنز اور کھلا ہوا استہزا موجود ہے، فرماتے ہیں :-

(و) "مسلمانوں میں جو لوگ "الامام المہدی" کی آمد کے قائل ہیں (موصوف نے نہایت ہوشیاری سے اپنے کو بالکل غیر جانبدار بھی رکھنا چاہا ہے لا الی ھؤلاء ولا الی ھولاء موصوف نہ قائلین میں ہیں نہ منکرین میں) ــــ

وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع وقطع کے آدمی ہوں گے، تسبیح ہاتھ میں لئے یکایک کسی مدرسہ یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے، آتے ہی انا المہدی کا اعلان کرینگے۔ علماء و مشائخ کتابیں لئے ہوئے پہونچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کرکے انھیں شناخت کرلیں گے۔ پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کردیا جائیگا چلے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" (خدا کا شکر کہ مودودی صاحب نے بقیۃ السلف پر طنز فرماکر اپنے آپ کو اس زمرہ سے خود ہی نکال لیا) انکے جھنڈے تلے جمع ہوں گے تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لئے چلانی پڑے گی، اصل میں سارا کام برکات اور روحانی تصرف سے ہوگا، پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے اور محض بدعاؤں کے زور سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے (ص۵۲)

اس اقتباس میں علامہ نے حضرت مہدی کیلئے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع پر ہونے کو کس درجہ لائق استہزاء سمجھا؟ یہ بات تو موصوف ظاہر نہ فرما سکے کہ آخر حضرت مہدی کیلئے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع پر ہونے میں استبعاد کیا ہے اور یہ قابل استہزاء کیوں ہے علامہ کی چشم مطالعہ تاریخ کی یہ روشن حقیقت کیوں نہ دیکھ سکی کہ ابھی ماضی قریب ہی میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے رفقاء جہاد سرحد میں اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے رفقاء جہاد شاملی میں سب کے سب مولویانہ وصوفیانہ ہی وضع قطع کے تھے۔

ایک اور سوال

اس موقع پر ایک اور سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ آخر اسی دور ظہور مہدی میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول بھی تو ہونا ہے موصوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی کوئی حلیہ

تو متعین فرما دیتے کہ آخر انکا حلیہ مبارک کیا ہوگا؟ کیا انکا بھی آسمانی جوڑا بش شرٹ اور پاجامہ یا کوٹ اور پتلون ہوگا؟ اچھا ہوتا کہ موصوف نے کچھ روشنی اس پر بھی ڈالدی ہوتی تو جس طرح علامہ کے فدائین انھیں اپنا مرشد و امام بنائے ہوئے ہیں مسیحی فرقہ بھی انھیں "ہیرو اور لیڈر" مان ہی لیتا۔

(ن) "میرا اندازہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا ——— سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جمادے گا" (ص ۵۳)

پچھلے دنوں یکم محرم ۱۴۰۰ھ کو خانۂ کعبہ میں ایک خود ساختہ مہدیٔ کاذب اور اس کے متبعین کا جو عبرت ناک قضیہ سامنے آچکا ہے اس کے پیش نظر علامہ کی عبارت بالا کی خطرناکی کھلی آنکھوں دنیا نے دیکھ لی کہ علامہ کی تحریری ذہن سازی کے نتیجہ میں وہ مہدیٔ کاذب کسی مدرسہ و خانقاہ کے حجرہ سے تسبیح لئے ہوئے نہیں برآمد ہوا تھا بلکہ اسکے ہاتھ میں پرانے زمانے کی تسبیح کی جگہ جدید طرز کے ہتھیار تھے جسکی پیش گوئی کا سہرا موصوف ہی کے سر باندھا جائیگا۔

حضرت مہدی سے متعلق علامہ کے یہ ارشادات محض تفنن طبعی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ واقعہ بھی شاید یہی ہے کہ موصوف معجزات و خوارقِ انبیاء پر کما حقہ اعتقاد ہی نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمانیات و روحانیات کی معجزاتی کرشمہ کاریوں کے ذکر سے بھی موصوف ویسا ہی پرہیز فرماتے ہیں جیسا ذیابیطیس کا مریض "شکر" سے اور استسقاء کا مریض "پانی" سے پرہیز کرتا ہے۔ ممکن ہے موصوف اس ذکر معجزات کو بھی "چنیا بیگم" کا درجہ دیتے ہوئے اسے منھ لگانا پسند نہ فرماتے ہوں۔ (احقر نے اپنے رسالہ "تین خطرے" میں اس پر مفصل بحث کی ہے)

رپورٹ کا تکملہ

"ایکسرے رپورٹ حصہ اول" میں یہ صورت اختیار کی گئی تھی کہ مودودیت کی متعدد بیماریوں کی نشاندھی کے بعد حضرات اکابر علمائے حق کے فیصلے اور فتوے بھی شامل کر دیئے گئے تھے جن سے مودودیت کے متعلق رائے قائم کرنے میں کافی مدد ملی تھی اسوقت حصہ دوم میں مودودیت کی چند ہی بیماریوں پر کلام اتنا تفصیلی ہوگیا کہ آراء علماء شامل کرنے کی گنجائش ہی نہ رہ گئی مجبوراً حصہ آراء کو بالکل مختصر کر کے آئندہ سطور میں صرف مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کی تحریروں کے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

۱- **مولانا امین احسن صاحب اصلاحی :** مولانا موصوف علامہ مودودی سے متعلق اپنی ایک طویل تحریر میں فرماتے ہیں :-

(الف) " مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے ایک سائل کے جواب میں " دین میں حکمت عملی کا مقام " کے عنوان سے وہ بحث پھر چھیڑی ہے جو معلوم نہیں دین کے معاملہ میں کتنے فتنوں کا دروازہ کھول چکی ہے ـــــــ باطل کی حمایت میں دلائل فراہم کرنے سے باطل حق نہیں بن جایا کرتا بلکہ ایک باطل سے سیکڑوں باطل پیدا ہو جایا کرتے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ ایام میں مولانا مدظلہ کے قلم سے اسلام اور مسلمانوں کی تھوڑی بہت جو خدمت بن آئی تھی وہ اسکا بدلہ اب مع سود کے چکانا چاہتے ہیں اور ہم نیاز مندوں کی

خواہش کے علی الرغم وہ تہیہ کر چکے ہیں کہ وہ چپکا کے رہیں گے"
(الفرقان مئی ص۲۲)

(ب) اصل نزاع: "ہمارے اور مولانا (مودودی) کے درمیان اصل نزاع جو ہے وہ یہ ہے کہ دین کو بحیثیت ایک تحریک کے لیکر چلنے والے قائد کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ وہ حکمت عملی یا عملی سیاست کے تقاضوں کے تحت دین کے کسی حکم میں ردو بدل کر سکے؟ مولانا فرماتے ہیں یہ اختیار اسکو حاصل ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ شریعت میں اس قسم کے تصرف کا اختیار اللہ اور اسکے رسول کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے"
(الفرقان ص۳۲)

(ج) "میرے نزدیک مولانا کے اس نظریے کا ہر جزو مغالطہ انگیز اور گمراہ کن ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول تو اسلام کو نری ایک تحریک سمجھکر اٹھانا اور لے چلنا ہی ایک بہت بڑا مغالطہ ہے اگر ابتک ہمیں اسکے مغالطہ ہونے میں کچھ تذبذب تھا تو ابتو مولانا نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ فی الواقع یہ بہت بڑا مغالطہ ہے ۔ اس حقیقت سے کون شخص انکار کر سکتا کہ تحریکوں میں وقتی مصلحتیں، سیاسی حکمت عملیاں، لیڈر یا لیڈروں کی تدبیریں اور چالیں ہی اصل عوامل کی حیثیت رکھتی ہیں وہ ان میں اپنی صوابدید اور اپنی ذہانت کی رہنمائی میں موسم اور ہوا کا رُخ دیکھکر ردو بدل کرتے رہتے ہیں نہ انکے لئے معین حدود وقیود کی پابندیاں ہوتی ہیں نہ ان کے آگے پیروی کے لئے کوئی اسوہ ہوتا ہے وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں اگر عوام کو بھڑکانے کیلئے ضرورت محسوس کرینگے تو اپنی الکشنی سرگرمیوں کو بھی بدر وحنین کے غزوہ سے تعبیر کریں گے

اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد و مردود ٹھہرائیں گے اور اگر ہوا کا رخ خلاف دیکھیں گے تو بدر و حنین کے مجاہدین اس طرح بلوں میں جا گھسیں گے جس طرح بلی کو دیکھکر چوہے بلوں میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم سازگار پائیں گے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلان کریں گے کہ وقت آگیا ہے کہ کرسیوں والے اپنے اپنے اقتدار کی کرسیاں انکے لئے خالی کردیں لیکن اگر شومئی تقدیر سے اثنائے تقریر میں موسم بدلتا نظر آئے تو زور تقریر کا جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایات دیں گے کہ اپنی وردیاں پھینک دو، اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بورڈ اتار دو، اپنے اعلان کو گھس گھس کے مٹا دو، اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کرلو۔

اسکے برعکس جو لوگ خدا کے دین کی اقامت کے لئے اٹھتے ہیں انکی رہنمائی کیلئے خود خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود و قیود ہوتے ہیں اور اس جد و جہد کے ہر مرحلہ میں پیروی کے لئے ان کے سامنے نبیوں اور رسولوں کا اسوۂ حسنہ ہوتا ہے اسوجہ سے وہ ہمیشہ خدا کی ہدایت کی روشنی میں چلتے ہیں انکی جد و جہد کو یہ افتاد کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں تو آندھی کی طرح اور بیٹھ جائیں بلبلے کی طرح، وہ طوفانوں کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو ہمیں بھی نسیم صبح کی خوش ادائی اور باد بہاری کی عطر بیزی اور مشک افشانی ہوگی۔ تحریکوں والے تنہا اپنے اعتماد پر چلتے ہیں اسوجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے دس سال کی مسافت تک کے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہوں لیکن خدا کی روشنی سے محروم ہونے کے سبب سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور جب گرتے ہیں تو انکو

سنبھلنا نصیب نہیں ہوتا، لیکن اقامت دین کے خادموں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے وہ اگر اپنی کسی لغزش کے سبب گرتے بھی ہیں تو اپنے رب کے دروازے ہی پر گرتے ہیں اور انکا رب انکو اٹھاتا اور سنبھالتا ہے" (الفرقان ص۳۵)

(د) "حکمت عملی" کا لفظ کتنا بڑا گمراہ کن ہے۔ حکمت عملی کا لفظ تو مولانا معاف کریں سیاسی بازی گری اور چالاکی کے مفہوم میں بھی آتا ہے" ——

—— "تحریک" اور "قائد" اور "حکمت عملی" تینوں اقانیم جمع ہو جانے کے بعد تو دین فی الواقع ایک بازیچہ سیاست ہی بنکر رہ جاتا ہے" ——

اگر یہ ڈھیلا ڈھالا اصول لوگوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیا جائے کہ تم دین کی مصلحتوں کو سامنے رکھکر دین کی کسی بات کو اختیار اور کسی بات کو ترک کر سکتے ہو تو پھر دین کے معاملہ میں بالکل ہی امان اٹھ جاتی ہے" ——

(چند صفحات کے بعد) "میرا دعویٰ ہے کہ اس اصول کو اپنا لینے کے بعد قائد کی دستبرد سے دین کی کوئی چیز بھی نہیں بچ سکتی وہ جس چیز کی بساط جب چاہے لپیٹ کر رکھدیگا —— مولانا اگر میرے دعوی کو غلط سمجھتے ہوں تو میں تیار ہوں کہ مولانا دین کی کسی چیز کا بھی نام لیں میں انشاء اللہ دکھا دونگا کہ اس اصول کی بے پناہ قینچی کس طرح اسکو کتر کے رکھ دے سکتی ہے بلکہ اگر مولانا چاہیں تو میں ایسی مثالیں بھی پیش کر سکتا ہوں جو ثابت کر سکتی ہیں کہ ایک قائد اس اصول سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے نام پر اس ملک کے امن و امان کو بھی غارت کر دے سکتا ہے" (الفرقان ص۴۰)

(ہ) "انبیاء کرام کے طریق کار کی ایک اور نہایت ہی اہم چیز جسکی

طرف یہاں توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دین کے پیش کرنے میں انکے ہاں ایک خاص تدریج اور ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ یہ تدریج وترتیب نہایت گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہے اور وہی تدریج وترتیب ہے جو فی الواقع انکی کوششوں کو نتیجہ خیز اور مثمر بناتی ہے وہ تمام ترغیبات اور تمام فتنوں سے بچکر پورے صبر کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھتے ہیں نہ مایوس ہوتے ہیں نہ گھبراتے ہیں نہ جلد بازی کرتے ہیں بلکہ ایک ایک قدم اس ترتیب کے ساتھ اٹھاتے ہیں جو ترتیب ان کے لئے دین میں قائم کردی گئی ہے" (ص ۷۶)

(چند صفحات کے بعد) لیکن اس تدریج وترتیب کا التزام واہتمام بڑا صبر آزما کام ہے۔ اسکے تقاضے وہی لوگ پورے کر سکتے ہیں جن کو انبیاء کی حکمت اور ان کے صبر سے حصہ ملا ہو۔ بے صبرے۔ جلد باز۔ طالع آزما اور صدارت و وزارت کے حریص لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ یہ پاپڑ بیل سکیں وہ تو سیدھا طریقہ یہی اختیار کریں گے کہ لاؤ! صدارت و وزارت کی کرسیاں ہمارے حوالہ کردو ہم صبح وشام میں اسلامی نظام قائم کئے دیتے ہیں (مولانا اصلاحی کا یہ اندازہ سنہ ۱۹۵۹ء کا ہے بعد کے حالات سے کیسی تصدیق ہوگئی کہ مولانا کا یہ اندازہ و تجزیہ کتنا صحیح نکلا) —— اس طرح کے لوگوں کو یہ بات کچھ اوپری اور انوکھی سی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی زندگی، اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کا آغاز ذکر و فکر کی خلوتوں، تنہائی کی دعاؤں اور مناجاتوں، مسجدوں کے منبروں اور محرابوں اور بندگان الٰہی کے دلوں اور انکی روحوں کو بیدار کرنے سے ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ہر چیز تو کراچی کے قصر وزارت

وصدارت سے چلتی ہے تو آخر اسلام اور اسلامی نظام ہی کی یہ خصوصیت کیوں ہوگی کہ وہ اپنے سفر کا آغاز مسجد سے کریگا۔ اسوجہ سے وہ ان بہت سی چیزوں کا مذاق اڑاتے ہیں جنکی دین میں بڑی اہمیت ہے اور ان چیزوں کی دعوت دینے والوں کو راہب، ملا، اور احمق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی راہ مارنا چاہتے ہیں، چھوڑو ان احمقوں اور ملاؤں کو آگے بڑھکر قبضہ کرلو پارلیمنٹ اور اسمبلیوں پر اسوقت اسلام کے لئے یہی بدر وحنین کا غزوہ ہے اور اس جنگ کو جیتنے کے لئے توڑ دو ان حدود وقیود کو جو اس مقصد کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اسلئے کہ — حکمت عملی کا تقاضا یہی ہے"

میں اپنے ان دوستوں کے اس طرز فکر پر انکو ملامت کرنا بے سود سمجھتا ہوں اسلئے کہ سوچنے کا ایک انداز یہ بھی ہے، ممکن ہے اسلام کی خیرخواہی کے جذبہ ہی کے تحت انھوں نے یہ راہ اختیار کی ہو البتہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ کام نہ تو اقامت دین کا کام ہے اور نہ اسکو انبیار علیہم السلام کے طریقہ اقامت دین سے کوئی نسبت ہے، یہ عام سیاسی کھلاڑیوں کے کھیلوں کی طرح کا ایک کھیل ہے جس میں اسلام نام کو یا تو محض عوام فریبی کیلئے استعمال کیا گیا ہے یا محض نادانی کے سبب سے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ جس سبب سے بھی اسلام کے نام کو استعمال کیا گیا ہے یہ اسلام کے اوپر ایک بہت بڑا ظلم کیا گیا ہے" (الفرقان ص ۱۵)

(۹) "یہ میں نے حضرات انبیار کرام علیہم السلام کے طریقہ اقامت دین کے متعلق چند اشارات کئے ہیں اب اگر کوئی جماعت مدعی ہو کہ وہ اسی طریقہ پر اللہ کے دین کو قائم کرنے کیلئے اٹھی ہے تو کم از کم حضرات انبیار کے نام کی لاج رکھنے کی حد تک اسکے طریقہ کار میں چند باتوں کا نمایاں ہونا لازمی

پہلی چیز یہ کہ وہ اللہ کے دین کو اسی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرے جس شکل میں وہ اُترا ہے، نہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال کرے نہ حرام کرے نہ کم کرے نہ بیش، نہ نرم کرے نہ سخت اور نہ آگے کرے نہ پیچھے۔ اگر زمانہ ناسازگار ہے اور وہ اللہ کے دین کو اسکی اصل شکل میں پیش کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہی ہے تو بہتر ہے کہ وہ اپنے گھر میں آرام کرے، نہ اللہ اُسکا محتاج ہے نہ اللہ کا دین۔ لیکن یہ حق اسکو ہرگز حاصل نہیں ہے کہ اللہ کے دین پر اپنی مصلحت تراشیوں کی مقراض چلائے اور اسکے ناجائز کو جائز اور اسکے حلال کو حرام بنائے اور کہے کہ یہ حکمت عملی کا تقاضا ہے اور یہ "پریکٹیکل وزڈم" کا مطالبہ ہے —— ایسی حکمت عملی اور ایسی ہر "پریکٹیکل وزڈم" پر اللہ کی اسکے نبیوں رسولوں کی، اسکے ملائکہ کی، تمام اہل ایمان کی لعنت ہے جو خدا کی شریعت میں کتر بیونت کو مباح کرتی ہو" (الفرقان ۴۹ء)

(ق) " مولانا (مودودی) ممکن ہے میرے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد فرمائیں کہ میں نے اپنے دل کا ایک پُرانا بخار نکالنے کے لئے اسکے مضمون کو بہانہ بنالیا ہے اسکے جواب میں یہ پیشگی گذارش ہے کہ میں نے دل کا بخار تو ضرور نکالا ہے لیکن یہ بخار زیادہ پرانا نہیں ہے بلکہ مولانا خوب واقف ہیں کہ میرے دل میں یہ بخار مولانا کے اس مضمون ہی سے پیدا ہوا تھا اور مولانا نے اسکو نکالنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن میں نے اسکو نکالنا پسند نہیں کیا تھا میرا گمان یہ تھا کہ اگر مولانا خود اپنی غلطی پر متنبہ نہیں ہوئے ہیں تو دوسروں کی تنبیہ سے متنبہ ہو جائیں گے اور اس غلطی کی اصلاح کرلینگے لیکن میرے گمان کے برعکس انھوں نے اپنی ضد سے اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا فتنہ اٹھا دیا ہے اس وجہ سے مجھے یہ سطریں لکھنی پڑی ہیں اگر میں

نہ لکھتا تو قیامت کے دن شیطان اخرس بن کر اٹھتا اور کتمان حق کے جرم میں میرے منھ میں آگ کی لگام لگائی جاتی" (الفرقان ص۶۲)

نوٹ :- مولانا اصلاحی کا یہ طویل مضمون مقام رسالت کراچی میں شایع ہوا تھا پھر اس سے نقل ہو کر الفرقان لکھنؤ بابت مئی ۱۹۵۹ء میں شایع ہوا کل مضمون چالیس صفحات کا ہے تلخیص کے طور پر جستہ جستہ اقتباسات اوپر پیش کیے گئے ہیں امید کہ مولانا اصلاحی کے اس مضمون سے ہلکی خطرہ کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے گا۔

۲- مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب: "دین کو تحریک سمجھنے کی ہلاکت آفرینی"

" آج کی صحبت میں ہم اسلام کے بارے میں غلط نظریات کی اس چوتھی نوع کو زیر بحث لاتے ہیں جسکا عنوان ہے" اسلام ایک تحریک ہے" یہ جملہ معصوم طرز پر تو اس مفہوم کو سامنے رکھکر استعمال کیا جاتا ہے کہ اسلام جامد مذہب نہیں کہ اس میں فکر و تعقل پر ناجائز پہرے بٹھا دیئے گئے ہوں اور استنباط و اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رکھی گئی ہو یا یہ کہ وہ سائنسی ترقیات کو جدید ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول قرار دیتا ہو۔۔۔۔۔ لیکن اس جملے کے اس مفہوم کے ساتھ ادا کرنے کی معصومیت اسکے استعمال کی وجہ جواز نہیں بن سکتی اسلئے کہ لفظ "تحریک" اپنا جو مفہوم رکھتا ہے وہ اسلام میں نہ پایا جاتا ہے نہ اسلام کو دین الٰہی (دین خداوندی) قرار دیئے جانے کے بعد اسکی گنجائش باقی رہتی ہے کہ اسے تحریک کہا جائے۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ تحریک کا مزاج اور اسکے ترکیبی عناصر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسکے اصولوں میں لچک ہو۔ اسکی کوئی بات ایسی نہ ہو جس میں حالات کے تقاضوں کی وجہ سے ترمیم نہ کی جا سکتی ہو اور اسکا کوئی ایسا اصول

نہیں ہونا چاہیئے جو اقدام اور فتح کی راہ میں رکاوٹ ہو۔ تحریک کا اصل مدعا ایک خاص مقصد تک پہنچنا ہوتا ہے خواہ اسکے لیئے راستہ سیدھا اختیار کیا جائے یا ہیر پھیر کا راستہ طے کرنا پڑے۔ اسکے برعکس، دین اور دین بھی وہ جسے خدا نے نازل کیا ہو، اور علی الخصوص وہ دین جسے رب کائنات نے اپنے فرمان خاص سے مکمل واکمل قرار دیا ہو۔ اس میں نہ ترمیم کیجا سکتی ہے اور نہ اسکے کسی اصول کو تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر اسکے بیان کردہ احکام وفرائین میں لچک پیدا کیجا سکتی ہے۔ جو افراد اور جماعتیں دین کو تحریک قرار دیکر اپنے کام کا آغاز کرتی ہیں انکے متعدد مکاتیب فکر ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ ہمیں اسوقت ان تمام سے بحث نہیں ہمارے پیش نظر صرف وہی لوگ ہیں جو تجدید واقامت دین کا کام کرنے کے لئے اٹھے لیکن اسوجہ سے کہ ان میں سے زیادہ با اثر حضرات دین کو تحریک سمجھتے تھے وہ تفصیلات طے کرنے کے زمانے میں راہ حق سے اس قدر دور ہو گئے، کہ تجدید کی جگہ تجدد نے حاصل کر لی (پرانے دین کے احیاء کی جگہ نئے دین کی ایجاد کا رنگ آگیا) اور انکی چلائی ہوئی جدوجہد ایسے مقام پر پہنچ گئی جس سے آگے کی منازل بعینہٖ وہی ہیں جو دین کے قصر کو ڈھانے والوں کی ہیں اور ان سے اقامت دین کے بجائے ہدم قصر دین کا خطرہ اس انداز سے لاحق ہو گیا ہے کہ آنکھیں کھول کر راستہ طے کرنے والے قدم قدم پر سرخ جھنڈیاں دیکھتے ہیں اور پریشان ہو ہو کر کچھ واپس لوٹ رہے ہیں اور کچھ حیرت میں غرق ہیں کہ چلے کدھر تھے اور نکل کہاں آئے؟ ایسے حضرات کا فکر ابتداءً بھی مخدوش تھا کہ وہ دین کو تحریک قرار دیتے

تھے لیکن انکی اکثر و بیشتر تعبیرات ایسی تھیں جو دین کو انہی معانی میں پیش کرتی تھیں جو کتاب و سنت میں پائے جاتے تھے لیکن جب آگے چلکر یہ مخدوش نکر اپنی اصلی شکل میں رونما ہونا شروع ہوا اور یہ سنائی دینے لگا۔

"ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہم اپنی تحریک کو خلا میں نہیں چلا رہے ہیں بلکہ واقعات کی دنیا میں چلا رہے ہیں اگر ہمارا مقصد محض "اعلان حق" ہو تو ہم ضرور بے لاگ حق بات کہنے پر اکتفا کرتے لیکن ہمیں چونکہ حق کو قائم بھی کرنے کی کوشش کرنی ہے اور اسکی اقامت کیلئے اس واقعات کی دنیا میں سے راستہ نکالنا ہے اسلئے ہمیں نظریت اور حکمت عملی کے درمیان توازن برقرار رکھتے ہوئے چلنا پڑتا ہے"

یہ بات اگرچہ اصحاب نظر کی تشویش کو واقعہ ثابت کرنے کیلئے کافی تھی لیکن مجمل ہونے کے باعث ایسی نہ تھی کہ اسے سب کے لئے خطرے کے الارم کی حیثیت دی جاسکے، مگر وضاحت کا دوسرا مرحلہ آیا تو یہ آواز ذرا پھیلی اور سنائی دیا جانے لگا:۔

" جسے صرف تمنائیں بیان کرنے پر اکتفا کرنا ہو بلکہ منزل مقصود کی طرف واقعی چلنا بھی ہو اسے تو ہر قدم جمانے اور دوسرا قدم اٹھانے کیلئے تمام ممکن الحصول موافق طاقتوں سے اس طرح کام لینا اور تمام موجود مزاحمتوں کو ہٹانے کے لئے اسطرح لڑنا ہوگا کہ گویا اسوقت کرنے کا کام یہی ہے، اس معاملہ میں صرف نظریت کام نہیں دیتی بلکہ اس کے ساتھ حکمت عملی ناگزیر ہے۔ اس حکمت کو نظر انداز کر دینے والا نظری آدمی طرح طرح کی باتیں کر سکتا ہے کیونکہ یا تو وہ قافلے میں شامل ہی نہیں ہوتا یا پھر قافلے کو لیکر چلنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوتی مگر جسے چلنا ہی ہو بلکہ

چلانا بھی ہو وہ ہر بات کو محض اس خیالِ حسن کی بنا پر قبول نہیں کر سکتا اسے تو عملی نقطۂ نظر سے تول کر دیکھنا ہوتا ہے کہ جن حالات میں وہ کام کر رہا ہے، جو قوت اسکے پاس موجود ہے یا فراہم ہونی ممکن ہے اور جو مزاحمتیں راستے میں موجود ہیں ان سب کو دیکھتے ہوئے کونسی بات قابلِ قبول ہے اور کون سی نہیں اور یہ کہ کس بات کو قبول کرنے کے نتائج کیا ہوں گے؟"

یعنی ایک قدم اور آگے بڑھے کہ جسکے کندھوں پر قافلے کو لے چلنے کی ذمہ داری بھی ہو اسے حالات و کوائف کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنیکا بھی حق حاصل ہے کہ "کون سی بات قابل قبول ہے اور کون سی نہیں اور یہ کہ کس بات کو قبول کرنے کے کیا نتائج برآمد ہوں گے؟" — اب تیسرا رحلہ شروع ہوتا ہے کہ :-

"آئیڈیلزم کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے نصب العین کی انتہائی منزل سے کم کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور جن اصولوں کو وہ پیش کرتا ہے ان پر سختی کے ساتھ جما رہے — مگر واقعات کی دنیا میں یہ بات جوں کی توں کبھی نہیں چل سکتی — جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل ہی پر رکھونگا اور پھر دورانِ سعی میں کسی مصلحت و ضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی استثناء اور لچک کی گنجائش بھی نہیں رکھونگا وہ عملاً اس مقصد کیلئے کوئی کام نہیں کر سکتا، یہاں واقعات کی دنیا میں آئیڈیلزم کے ساتھ ساتھ ہم کو اس کے برابر کا مناسب حکمتِ عملی کا ملنا ضروری ہے، وہی یہ طے کرتی ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے راستہ کی کن چیزوں کو آگے کی پیش قدمی کا ذریعہ بنانا چاہیئے کن کن مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، کن کن موانع کے ہٹانے کو مقصدی

اہمیت دینی چاہیئے۔ اور کون (اصولوں) میں اہم تر مصالح کی خاطر حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنی چاہیئے"

اگر اسلامی تحریک ـــــــ اور کوئی ایسی جماعت جو اقامت دین کی علمبردار ہو اس اصول کو بطور فلسفہ اور عقیدہ کے طے کر لیتی ہے کہ اسلامی نظام کے دعوتی اور اشاعتی دور میں جو اصول بیان کئے جائیں اور جن پر لوگوں کو جمع کیا جائے ـــــــ جب اسلامی نظام کو عملاً قائم کرنیکا وقت آئے تو اس تحریک کے قائد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ توحید و رسالت ایسے اساسی اصولوں کے علاوہ تحریک کے مفاد کیلئے جس اصول میں ضروری خیال کرے استثناء پیدا کرے، اس پر عمل کرنے سے اپنی جماعت کو روک دے، جو ضمانت اس تحریک نے اپنے ابتدائی دور میں دی ہو اس میں سے جس جزو کو وہ دین کی مصلحت کے لئے مضر خیال کرے ساقط کر دے تو اس اسلامی تحریک اور اس اقامت دین کی جدوجہد ـــــــ اور ان طالع آزما سیاستدانوں کی تحریکات کے مابین کیا فرق رہ جائیگا جو حصول اقتدار سے پہلے نہایت پاکیزہ اصول بیان کرتے ہیں، بہت سے حسین وعدے عوام سے کرتے ہیں لیکن جب انھیں اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اقتدار کو قائم رکھنے کی عملی مشکلات سے مجبور ہو کر ان دعووں اور اصولوں کی خلاف ورزی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

پھر اس پر بھی غور کیجئے اگر یہ دروازہ کھلتا ہے کہ اسلامی نظام کی تحریک کے قائد کو یہ حق حاصل ہے کہ اسلام کے اساسی معتقدات کے علاوہ دوسرے اصولوں میں لچک پیدا کرے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج اس نے حکمت عملی کو معیار قرار دیکر یہ طے کیا کہ اصول مساوات پر عمل ممکن نہیں اس پر عمل کرنے سے اسلامی تحریک کو نقصان پہنچے گا اسلئے مساوات کے اصول پر ایک پابندی عائد کردو، کل وہ یہ محسوس کرے کہ کشمکش احوال متقاضی ہے کہ شخصی آزادی کے اصول پر بعض پابندیاں

عائد کیجائیں۔ پرسوں انکی رائے یہ ہو کہ اسوقت جمہوریت اسلامی مملکت اور اسلامی نظام کے لئے راس نہیں آئی اور اگر اسپر عمل کیا گیا تو "اقامت دین" کی جدوجہد کو نقصان پہنچیگا لہذا اب محدود جمہوریت (کنٹرولڈ ڈیموکریسی) رائج ہونی چاہیئے اور پھر اسے یہ محسوس ہو کہ اب دستوری نظم کا چلانا اسلامی تحریک کیلئے مفید نہیں لہذا اب دستور کو معطل کر کے صدر راج یا اس سے آگے بڑھکر مارشل لا نافذ کرنا چاہیئے اور وہ اسے "حکمت دین" قرار دیکر ان لوگوں کو مصلحت دین کا مخالف قرار دے جو اسلامی نظام کے اصول جمہوریت پر عمل کرنے پر اصرار کریں۔ دین کو تحریک قرار دیکر اقامت دین کیلئے جدوجہد کی یہ پہلی اور عظیم ہلاکت ہے جو اس جماعت کو بے اصول اور طالع آزما سیاسی جماعت بنا کر رکھدیتی ہے"

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ حکیم صاحب کا یہ مضمون اب سے تقریباً بائیس سال پہلے لکھا گیا تھا اور الفرقان لکھنؤ بابت مارچ و اپریل ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا فاضل مضمون نگار کو شاید اسوقت یہ یقین تو نہ رہا ہوگا کہ انکا زیر نظر تجزیہ و تبصرہ اسطرح حرف بحرف صحیح ہوگا اور اسلامی نظام کے انہی قائد بزرگوار کی سرپرستی میں مارشل لا کے زیر سایہ پاکستان میں اسلامی حکومت اور نظام مصطفےٰ کا قیام عمل میں آجائیگا اور ساتھ ہی ساتھ موصوف ہی کی خواہش و تمنا کے مطابق ایران میں خمینی صاحب کی خالص رافضی حکومت بھی اسلامی حکومت کا مصداق کہی جائیگی۔ (احقر نے موصوف کے مضمون کی تلخیص ہی پیش کی ہے)

عبدالقدوس رومی

۲۲ رجب ۱۴۰۰ھ، ۷ رجون ۱۹۸۰ء

(اکسرے رپورٹ حصہ دوم ختم ہوا)

مفتئ آگرہ ابوالاوصاف عبدالقدوس صاحب رومی کی تصنیفات
مودودیت کی حقیقت سے
پردہ اٹھانے والی مفید و موثر، دلپذیر و دلنشین کتابیں
ایکسرے رپورٹ
جسے پڑھ کر مودودیت کی فتنہ سامانی و خطرناکی کھلی آنکھوں نظر آتی ہے. مقبولیت کا یہ حال ہے کہ پہلا ایڈیشن صرف چار ماہ میں ہاتھوں ہاتھ نکل گیا ____ قیمت 1/50
ایک آئینہ میں تین چہرے
شیعیت واعتزال کے ساتھ ساتھ فتنہ قادیانیت بھی مودودی لٹریچر میں کسطرح شیر و شکر ہو رہا ہے. اس مختصر سے کتابچہ سے یہ حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے ____ قیمت 1/50
مودودیت بے نقاب
کس طرح لوگ حکومت الٰہیہ اور اقامت دین کے دلکش نعروں سے متاثر ہو کر تحریک سے وابستہ ہوئے اور پھر کسطرح تحریک و داعی تحریک کو اقامت دین کی فکر و روح سے خالی دیکھکر انتہائی مایوسی میں جماعت سے علٰحدہ ہوئے. اس قسم کی پانچ آپ بیتیوں کی روشنی میں مودودیت کا اصلی روپ ملاحظہ فرمائیں ____ قیمت 5/-
تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش
علامہ مودودی کی مشہور تفسیر پر اپنی نوعیت کا منفرد و مفصل تبصرہ تفہیم القرآن سے پہلے اس کا مطالعہ ضروری ہے ____ (جلد اول زیر طبع)
صہیب برادرس - آگرہ
COVER PRINTED AT : NOVELTY PRINTERS, RETI ROAD :: GORAKHPUR (PH. 5819)